شہادت 1356ھش

اپریل 1977ء

ایڈیٹر

حافظ مظفر احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم — فاستبقوا الخیرات

"تیری عاجزانہ راہیں اس کو پسند آئیں"
(الہام حضرت مسیح موعودؑ)

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی"
(المصلح الموعودؓ)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ
خالد
ربوہ

اپریل ۱۹۷۷ء
شہادت ۱۳۵۶ ہش

رجسٹرڈ نمبر ایل-۵۸۳۰ ○ جلد ۲۴ ○ شمارہ ۶

ایڈیٹر
حافظ مظفر احمد

ناشرین
بشارت احمد محمود • ملک خالد محمود • محمد الیاس منیر

قیمت فی پرچہ: ایک روپیہ ○ چندہ سالانہ: دس روپے

مندرجات

• پبلشر: قمر شفیق قیصر • پرنٹر: سید عبدالحی • مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ • مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر جنوبی ربوہ

خالد ● اداریہ ●

کلام الامام......

خدا تعالیٰ کے انبیاءؑ اس کے فرستادوں، پیاروں اور الٰہی جماعتوں کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ وہ مخلوقِ خدا کی محبت، ہمدردی اور خدمت کے جذبہ سے سرشار ہوتے ہیں۔ اسی جذبہ کے ساتھ وہ خلقِ خدا کی ہدایت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور اس راہ میں وہ جان کی بازی لگا دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ —— حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اس زمانہ میں تشریف لا کر محبت و پیار کی پیاسی دنیا کو یہ مژدہ سنایا —— "میں نوعِ انسان سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہوں ——" (اربعین ۱) آپؑ نے اپنی جماعت کو بھی ہمدردی اور خدمتِ خلق کا درس دیا آپؑ نے شرائطِ بیعت میں ایک شرط "عام خلق اللہ سے ہمدردی" مقرر فرمائی —— نیز فرمایا:۔

- "اور اس کی توحید زمین پر پھیلانے کے لئے اپنی طاقت سے کوشش کرو اور اس کے بندوں پر رحم کرو اور ان پر زبان یا ہاتھ یا کسی تدبیر سے ظلم نہ کرو اور مخلوق کی بھلائی کے لئے کوشش کرتے رہو۔" (کشتی نوحؑ)
- "پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو یاد رکھو کہ تم ہر شخص سے خواہ وہ کسی مذہب کا ہو۔ ہمدردی کرو اور بلا تمیز مذہب و قوم ہر ایک سے نیکی کرو۔" (تقریریں ص۲۹)
- "اور میں اس وقت اپنی جماعت کو...... نصیحت کرتا ہوں کہ شر سے پرہیز کرو اور نوعِ انسان کے ساتھ حقِ ہمدردی بجا لاؤ" (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد ص۱۳-۱۴)
- "بنی نوعِ انسان کے ساتھ ہمدردی میں میرا یہ مذہب ہے کہ جب تک دشمن کے لئے دعا نہ کی جائے پورے طور پر سینہ صاف نہیں ہوتا...... بلکہ میرا تو یہ مذہب ہے کہ دشمن کے لئے دعا کرنا یہ بھی سنتِ نبویؐ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی سے مسلمان ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے اکثر دعا کیا کرتے تھے۔" (ملفوظات جلد سوم ص۹۶-۹۷)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ۲۵ مارچ کے خطبہ جمعہ میں كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کی تفسیر کرتے ہوئے اس امر کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:——

"خدا تعالیٰ نے ہمیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تم اس لئے بہترین اُمت ہو کہ تمہیں تمام بنی نوعِ انسان کی بھلائی اور خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔"

حضور نے اسی سلسلہ میں مزید فرمایا:——

"آج میں پھر تاکید کے ساتھ احبابِ جماعت کو دعا کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ موجودہ ایام میں ہمیں خصوصیت کے ساتھ بالالتزام یہ تین دعائیں کرنی چاہئیں:——

(۱) "اللہ تعالیٰ ساری دنیا کے لئے ہی خیر اور بھلائی کے ایسے سامان پیدا فرمائے جن کے نتیجہ میں۔ (باقی صفحہ ۳۸ پر)

رحمۃ للعالمین

جناب شیخ عبد القادر، لاہور

جناب فیض احمد فیض کی مشہور غزل سے متاثر ہو کر

کوثر و تسنیم کیا ہے؟ تیرے میخانے کا نام
دِل مرا رُوحانیت کے ایک پیمانے کا نام

آسماں پر پھر اُبھر آئی ہے فاراں کی لکیر
امنِ عالم ہے "تمہارے بام پر آنے کا نام"

حلقۂ زنجیرِ پا سے، سب رہائی پائیں گے
اور آزادی، غلامی میں ترے آنے کا نام

دوستو اُس یار کے فیضان کی باتیں کرو
آج باقی ہے جہاں میں جس کے میخانے کا نام

مُحتسب کہتا ہے چھوڑو نام میں رکھا ہے کیا؟
رشتۂ جاں ہے تمہارے نام کے پانے کا نام

غنچۂ دِل میں محبّت کی چٹخ پیدا نہ ہو
جان لو یہ نورِ قلب و جاں کے ہے جانے کا نام

دوستو! اس چشمِ نم کی کچھ کہو جس کے بغیر
پھول، شبنم، ابرِ رحمت ہے نہ میخانے کا نام

آپ کا خط ملا

"خالد" کے قلمی معاون جناب ل۔خ ملک کی خدمت میں تحریر کیا گیا تھا کہ موسم گرما کی آمد آمد ہے ایک بار پھر قارئین "خالد" کو کوہ و دشت کی سیر کروا دیں آپ کے جواب کا ایک حصہ قارئین کی دلچسپی کے لیے پیش ہے:

برادرم محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا ارشاد نامہ ملا۔ بہت شکریہ! آپ نے یاد فرمایا بہار کی آمد سے خود مجھے بھی گرما کے قرب کا احساس ہو رہا تھا۔ آپ کے خط نے اور بھی توجہ دلا دی۔ گزشتہ سال کی سیر کا تذکرہ لکھنے کی راہ میں...... وجوہ آڑے آئیں۔

جاپان سے ڈاکٹر پرواذی صاحب نے مجھے ڈانٹ بھیجی ہے کہ مزاح پر اچھی کتابیں (سات سمندر پار مصنفہ اختر ریاض الدین اور بجنگ آمد مصنفہ کرنل محمد خان) پڑھے بغیر مزاح لکھنے کی کوشش کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی آدمی بغیر وضو کے تہجد پڑھنے لگے۔ اوّل تو میرا ایسی تہجد پڑھنے کا ارادہ نہیں جس کا وضو ایسی ٹیڑھی کھیر ہے۔ دوم یہ کتابیں بھی مجھے نہیں مل سکیں کہ مزاح لکھنے کے آداب سے آگاہی ہو سکتی۔

حافظ صاحب محترم! اب انصاف آپ پر ہے۔ آپ ہی فرمائیں کہ میرا قصور اس معاملہ میں کتنا ہے؟

پرواذی صاحب جب تک آ نہیں جاتے میں جاپان کا رُخ نہیں کروں گا۔ والسلام!

(خاکسار۔ ملک لال خان۔ ہری پور ہزارہ)

مکرمی مدیر صاحب "خالد"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! خوبصورت ٹائیٹل کے ساتھ ماہ مارچ کا خالد نظر سے گزرا۔ قلب سرور سے بھر گیا۔ "گاہے گاہے باز خواں......" اداریہ میں جدّت قابل تحسین ہے اگر آئندہ سے ایک صفحہ کا مستقل کالم اس بات کے لئے وقف کر دیا جائے کہ اس ماہ سے متعلق تاریخ اسلام کے اہم واقعات اشارۃً آجائیں تو نوجوان ذہنوں میں سلف صالحین کے کارنامے مستحضر رہیں گے۔ مجموعی طور پر رسالہ اچھا ہے اگر بعض مضامین کی طوالت کو نظر انداز کر دوں تو بہترین رسالہ ہے۔ دو تین مختصر دلچسپ مضامین مزید شامل کر دیئے جائیں تو یقیناً جاذبیت بڑھے گی۔

(منیر احمد چوہدری۔ زعیم ہاسٹل جامعہ احمدیہ ربوہ)

جناب ایڈیٹر صاحب! ماہنامہ "خالد"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جناب کی محنت و کاوش کا شیریں ثمر "خالد" نظر سے گزرا۔ ماشاء اللہ۔ بتدریج ترقی کے زینے طے کر رہا ہے اور اس کا منفرد اور معقول معیاری اضافے کے ساتھ بدستور قائم ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

"شگفتہ شگفتہ" یا ادب پارے کے عنوان خالد کی زینت بننے چاہئیں۔

(افتخار احمد چیمہ ہاسٹل جامعہ احمدیہ ربوہ)

○

اَلْاَحْکَامُ تَحْتَ ظِلَالِ الْقُرْاٰنِ

شرائطِ نماز

جنابِ ملک سیف الرحمٰن، مرحوم

نماز کی تیسری شرط

سترِ عورت یعنی پردہ پوشی

لباس سے ہی انسان معزز لگتا ہے۔ اس لئے پاک صاف اور ستھرا لباس پہن کر انسان خدا کے دربار میں جائے اور اس کے حضور نماز ادا کرے۔ گندے اور ناپاک کپڑوں میں نماز نہیں ہوتی۔ مرد کے لئے کم از کم ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے جسم کی پردہ پوشی اشد ضروری ہے ورنہ نماز صحیح نہ ہوگی۔ عورت نماز پڑھتے وقت صرف چہرہ، پہنچوں تک ہاتھ اور ٹخنوں تک پاؤں ننگے اور کھلے رکھ سکتی ہے۔ اس کے بال، باہیں اور پنڈلیاں اور جسم کا باقی حصہ ڈھکا ہوا ہونا چاہیئے۔ باریک کپڑا جس سے جسم نظر آئے تنگ اور چست لباس، جس سے سجدہ کرنے میں وقت ہو ناپسندیدہ ہے۔ عورت کو چاہیئے کہ وہ کسی اجنبی محرم کے سامنے اپنا چہرہ بھی ننگا نہ کرے بلکہ چہرہ کا بھی پردہ کرے۔

فتاویٰ سترِ عورت

سوال: نکّر پہن کر نماز پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: اگر کسی کے پاس نکّر ہے اور دوسرا کپڑا نہیں تو نکّر پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے بلکہ اگر اس کے پاس کپڑا نہیں تو نکّر چھوڑ لنگوٹی میں بھی نماز جائز ہے لیکن جان بوجھ کر ایسا کرنا جبکہ اور کپڑا موجود ہو ناجائز۔

(الفضل ۱۸ ؍ اکتوبر ۱۹۴۶ء)

سوال:- کیا عورت باریک دوپٹہ جس میں سے بال نظر آئیں اوڑھ کر نماز پڑھ سکتی ہے؟

جواب: ایسے باریک دوپٹے جن میں سے بال نظر آئیں اوڑھ کر نماز ادا کرنا درست نہیں۔ خصوصاً ایسی جگہوں میں جہاں غیر محرموں کی آمد و رفت ہو۔ حضرت عائشہ رضؓ سے حدیث مروی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:-

"لا یقبل اللہ صلوٰۃ حائض (ای امرأۃ) إلا بخمار" (بخاری) کہ اوڑھنی کے بغیر حائضہ عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:-

"لَا یقبل اللہ من امرأۃ صلوٰۃ حتی تواری زینتها ولا جاریة بلغت المحیض حتی تختمر" (رواہ طبرانی عن ابی قتادہؓ)

یعنی عورت جب تک زینت نہ چھپائے اور بالغ لڑکی جب تک اوڑھنی نہ کرے اُن کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

اس کے علاوہ ان آیات قرآنی سے فقہاء نے استدلال کیا ہے۔ "یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا" (الاعراف: ۲۷)

(ترجمہ) اے آدم کی اولاد ہم نے تمہارے لئے ایسا لباس پیدا کیا ہے جو تمہاری چھپانے والی جگہوں کو چھپاتا ہے اور زینت کا موجب بھی ہے

"خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ"

(ترجمہ) ہر مسجد کے قریب زینت کے سامان اختیار کرو۔

"وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ .... وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ"۔

(النور: ۳۲) یعنی اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔ سوائے اس کے جو آپ ہی آپ بے اختیار ظاہر ہوتی ہو اور اپنی اوڑھنیوں کو اپنے سینے پر سے گزار کر اور اس کو ڈھانک کر پہنا کریں .... اور اپنے پاؤں زمین پر اس لئے نہ مارا کریں کہ وہ چیز ظاہر ہو جائے جس کو وہ اپنی زینت سے چھپا رہی ہیں۔

امام شافعیؒ اور اوزاعیؒ فرماتے ہیں:۔

"تُغَطِّیْ جمیع بدنها الا وجهها و کفیها" کہ عورت سارا بدن سوائے چہرہ اور ہتھیلیوں کے ڈھانکے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ عورت کے بال اور پاؤں کے اوپر کا حصہ ننگا ہو تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔ لیکن صحیح مسلک یہ ہے کہ نماز میں سر کے بالوں کو حتی الوسع چھپائے اور اگر بغیر ارادہ کے بالوں کا کچھ حصہ جو چوتھے حصہ سے زیادہ نہ ہو کھل جائے تو نماز صحیح ہو جائے گی۔

بعض فقہاء نے کہا کہ نماز میں عورت کے بالوں کا چوتھا حصہ یا تیسرا حصہ کھلا ہو تو اس کی نماز ناقص ہے اور اس سے کم بال کھلے ہوں تو ناقص نہیں۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ نصف بال کھلے ہوں تو نماز ناقص ہوگی۔

(المنتقی جلد ۲ صفحہ ۲۷۳۔ مطبوعہ مصر)

پس جہاں یہ تنگ نظری ہے کہ اگر ایک بال بھی کھل جائے تو نماز باطل ہو جائے گی۔ وہاں یہ ناجائز اقدام ہے کہ ایسا دوپٹہ لے کر نماز پڑھی جائے کہ جس میں سے سر کے بال دکھائی دیں۔ مومن کا اصل کام یہ ہے کہ افراط اور تفریط دونوں سے بچے۔

اسلام نے یہ پسند کیا ہے کہ نماز وغیرہ کے مواقع پر سر پر ٹوپی یا پگڑی رکھی جائے۔ سر ننگا نہ ہو۔ عورتوں کے متعلق علماء میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ اگر ان کے سر کے اگلے بال ننگے ہوں تو آیا ان کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔ اکثر کا یہی خیال ہے کہ اگر اگلے بال ننگے ہوں تو نماز نہیں ہوتی۔ پرانے فقہاء کا خیال ہے کہ ننگے سر نماز نہیں ہوتی۔ لیکن ہمارے ہاں مسائل کی بنیاد چونکہ احادیث پر ہے اور احادیث میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ بعض صحابہؓ نے ننگے سر نماز پڑھی۔ اس لئے ہم اس قدر تو کے قائل نہیں کہ ننگے سر نماز ہوتی ہی نہیں ہمارے نزدیک اگر کسی کے پاس ٹوپی یا پگڑی نہ ہو اسی طرح سر ڈھانکنے کے لئے کوئی رومال وغیرہ بھی

اُس کے پاس نہ ہو تو ننگے سر نماز پڑھی جا سکتی ہے
("الفضل" ۹ر فروری ۱۹۵۵ء)

سوال: مصری لوگ اکثر ننگے سر نماز پڑھتے ہیں۔ مگر ہم سر ڈھانپ کر نماز پڑھتے ہیں کیا اس کے متعلق کوئی حکم ہے؟

جواب: ہمارے ملک میں چونکہ احترام کا نشان سر ڈھانپنا ہے اس لئے ہمارے ملک میں یہی مناسب ہے کہ سر ڈھانپا جائے۔ مگر کئی صحابہ رضؓ کے متعلق ذکر آتا ہے کہ ننگے سر پڑھتے تھے مگر ہم لوگ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ان کے پاس کپڑے پورے ہوتے ہی نہیں تھے۔ کیا کرتے مگر حافظ روشن علی صاحب کو اس روایت پر اتنا غلو تھا کہ وہ سر پر ٹوپی ہوتی بھی تو اس کو اتار لیتے تھے۔ میں ان سے ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ حافظ صاحب جس حدیث پر آپ کو اتنا غلو ہے وہ ان لوگوں کے لئے ہے جن کو کپڑا نصیب نہیں ہوتا تھا۔ آپ کو نصیب ہے۔ پس اتنا ثابت ہو گیا کہ ننگا سر رہنے سے نماز ٹوٹتی نہیں ہاں عورتوں کے متعلق فقہاء کا قطعی فیصلہ ہے کہ ان کو سر ڈھانک کر نماز پڑھنی چاہیئے۔

(فائل مسائل دینی $\frac{۸ — ۳۲}{۱۳۵ \cdot ۵۷}$)

سوال: کیا ننگے سر نماز جائز ہے؟

جواب: ایسی صورت میں ننگے سر نماز پڑھنا غلط ہے جبکہ سر ڈھانپنے کے لئے کوئی کپڑا وغیرہ موجود ہو۔ منع نہیں۔ کئی صحابہؓ پڑھتے تھے۔ مگر میرا خیال ہے کہ ان کے پاس سر ڈھانکنے کے لئے کپڑا نہیں ہوتا تھا۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ صحابہؓ کے پاس بسا اوقات تہہ بند کے لئے بھی پورا کپڑا نہیں ہوتا تھا۔ ("الفضل" ۱۷ر اکتوبر ۱۹۴۶ء)

سوال: کیا نماز پڑھتے وقت سر پر کپڑا رکھنا ضروری ہے؟

جواب: نماز میں سر ڈھانکنا مستحب اور زیادتی ثواب کا موجب ہے، ننگے سر نماز پڑھنا بدعت ہے۔ اسے بزرگوں نے ناپسندیدہ کہا ہے اور مکروہ جانا ہے۔ حدیث میں آتا ہے "کان صلی اللہ علیہ وسلم یامر بستر الراس فی الصلوٰۃ بالعمامۃ او القلنسوۃ وینھی عن کشف الراس فی الصلوٰۃ" (کشف الغمہ ۵۸ جلد ۱) البتہ یہ کسی نے نہیں کہا کہ ننگے سر ہونے سے نماز نہیں ہوتی۔ اس حالت میں نماز ہو تو جاتی ہے لیکن ثواب کم ملتا ہے کیونکہ دوسرے بزرگوں کے طریق کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔

سوال: کیا بلا ضرورت کوئی شخص ننگے سر نماز ادا کر سکتا ہے؟

جواب: نماز میں یوں تو اچھا لباس پہننے کا حکم ہے جیسا کہ خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔ باقی نوافل اور گھر کی نماز میں بدون ضرورت کے محض جواز کے طور پر ایک چادر میں بھی پڑھنا ثابت ہے۔ (بجسب الحکم مولوی سید سرور شاہ جواب لکھا الفضل ۵ر اگست ۱۹۱۵ء)

سوال: اگر صاف اور پاک کپڑا نہ ملے تو کیا کیا جائے؟

جواب: اگر کسی کو صاف اور پاک کپڑا میسر نہ آئے تو وہ گندے کپڑوں میں ہی نماز پڑھ سکتا ہے خصوصاً وہم کی بناء پر نماز کا ترک تو بالکل غیر معقول ہے جیسا کہ ہمارے ملک میں کئی عورتیں اس وجہ سے نماز ترک کر دیتی ہیں کہ بچوں کی وجہ سے کپڑے مشتبہ ہیں اور کئی مسافر نماز ترک کر دیتے ہیں کہ سفر میں طہارت کامل نہیں ہو سکتی یہ سب شیطانی وساوس ہیں۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا

الا وسعھا۔ الٰہی حکم ہے جب تک شرائط کا پورا کرنا اختیار میں ہو ان کے ترک میں گناہ ہے، لیکن جب شرائط پوری کی ہی نہ جا سکتی ہوں یا ان کا پورا کرنا مشکل ہو تو ان کے میسّر نہ آنے کی وجہ سے نماز کا ترک گناہ ہے اور ایسا شخص معذور نہیں بلکہ نماز کا تارک سمجھا جائے گا۔

(تفسیر سورۃ بقرہ صفحہ ۱۰۱)

نماز کی چوتھی شرط

قبلہ:

نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرنے کے یہ معنے نہیں کہ مسلمان نعوذ باللہ اس عمارت کی پرستش کرتے ہیں اور اسے پوجتے ہیں مسلمان تو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ صرف اسی کو اپنا کارساز اور خالق و مالک مانتے ہیں۔ دراصل کعبہ کو قبلہ مقرر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ نماز ایک مخصوص اجتماعی عبادت ہے جس میں یک جہتی اور اتحادِ عمل کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے تاکہ سب کی توجہ ایک طرف رہے اس لئے نماز پڑھنے کے وقت اس مقام کو سمتِ نماز اور قبلہ مقرر کیا گیا۔ جسے توحیدِ الٰہی کیلئے پہلا اور اصلی مرکز ہونے کا شرف حاصل رہا جہاں خداوند تعالیٰ کی وحدانیت کے گیت گائے گئے، جہاں سے تبلیغ توحید کا آغاز ہوا اور جس جگہ ایسی قربانیاں دی گئیں جو تاریخ عالم میں بے مثال ہیں۔

مسائل قبلہ:

نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔ قبلہ سے مراد وہ مقدس کمرہ ہے جو مکہ مکرمہ میں موجود ہے جسے کعبہ اور بیت اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کا گھر بھی کہتے ہیں۔ جب سے مذہب کی ابتداء ہوئی ہے دنیا میں یہی پہلی عمارت ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کی خاطر بنائی گئی۔ روایت ہے کہ یہ مقدس عمارت تمام انبیاءؑ کا قبلہ رہی۔ حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے انبیاءؑ نے اس کا حج کیا۔ جن لوگوں کو کعبہ کی عمارت نظر نہیں آتی۔ دور ہیں یا دوسرے ممالک میں رہتے ہیں ان کا قبلہ، کعبہ اور مسجد الحرام کی جہت ہے ان کے لئے عین عمارت کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری نہیں اور نہ ہی آسانی سے ایسا کرنا ممکن ہی ہے۔ خوف کی حالت میں ہو یا انسان کسی ایسی سواری پر سفر کر رہا ہو جسے ٹھہرانا اس کے اپنے اختیار میں نہیں یا ٹھہرانا موجب حرج ہے اور چلتے ہوئے صحیح قبلہ کی طرف منہ کرنا خاصا مشکل ہے یا سفر ہوائی جہاز کا ہے یا کسی دوسرے سیارہ میں انسان چلا گیا ہے ایسی تمام صورتوں میں جدھر آسانی ہو اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لینا جائز ہے۔

نماز کی پانچویں شرط

نیّت:

صحتِ نماز کے لئے نیت بھی ضروری ہے۔ نیت کے معنی ارادہ کے ہیں۔ نماز شروع کرتے وقت دل میں یہ ارادہ ہونا چاہیئے کہ وہ کس وقت کی اور کونسی نماز پڑھ رہا ہے۔ کیونکہ جس نماز کی نیت ہوگی وہی نماز اس کی ہوگی ظہر کے وقت اگر نیت یہ ہے کہ چار رکعت فرض شروع کرنے لگا ہے تو فرض نماز ہوگی اگر نیت چار رکعت یا دو رکعت سنت کی ہے تو سنت نماز ہوگی۔ نیت کا تعلق دل سے ہے اس لئے دل میں یہ طے ہونا چاہیئے کہ وہ کس وقت کی اور کتنی رکعت نماز شروع کرنے لگا ہے

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

سیرتِ رسولؐ ـــــ تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۷۶ء ـــــ (غیر مطبوعہ)

غزواتُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں خُلقِ عظیم

جناب سید میر محمود احمد ناصر

ہمارے نبی، ہمارے سید و مولیٰ خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ نفسی و روحی وابی و امی ہمارے ربّ جلّ جلالہٗ و عزّ شانہٗ کے کامل مظہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تمام عظیم صفاتِ حسنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلقِ عظیم اور شمائلِ حسنہ میں چمکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ؎

محمدِ عربی بادشاہِ ہر دو سرا\
کرے ہے رُوحِ قدس جس کے دَر کی دربانی\
اُسے خدا تو نہیں کہہ سکوں پہ کہتا ہوں\
کہ اُس کے مرتبہ دانی میں ہے خدا دانی

اگر ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اخلاق پر ہی نظر ڈالی جائے جو غزوات کے موقعہ پر ظاہر ہوئے تو وہ بھی ایسی دلکشی اور عظمت اپنے اندر رکھتے ہیں جو تاریخِ انسانیت ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ہمارے حضور آپؐ پر اپنے ربّ کے ہزاروں سلام اور لاکھوں درود ہوں غزوات میں صرف اپنے ربّ پر نہایت درجہ کامل توکّل رکھتے مگر جامع اور اعلیٰ پایہ کی تدبیر بھی فرماتے۔ اپنے مولیٰ کریم کے حضور دعا اور التجا کو کمال تک پہنچاتے مگر ظاہری سامانوں کا انتظام بھی پورے طرح فرماتے۔ حضورؐ شجاع اور بہادر تھے بقول حضرت انسؓ اشجع الناس تھے، بقول حضرت براءؓ بن عازب جنگ کی شدّت میں ہم سے وہ ہی بہادر سمجھا جاتا تھا جو حضورؐ کے ساتھ ٹھہر سکے مگر اس شجاعت کے باوجود طبیعت میں تہوّر نام کو بھی نہ تھا۔ حد درجہ غیرت مند تھے مگر ظلم اور بے انصافی سے کلیتہً پاک تھے۔ دشمن کے مقابلہ میں مدافعت کے ہر جائز پہلو کو اختیار فرماتے۔ مگر جارحیت اور جبر و اکراہ سے کبھی دامن آلودہ نہ ہوا۔ دشمن کی سرگرمیوں کے سدّباب کے لئے فوری اور بروقت اقدام فرماتے مگر دشمن سے مڈبھیڑ کی خواہش کو ناپسند فرماتے اور اپنے ربّ سے عافیت طلب فرماتے۔ آپؐ کے ربّ نے آپؐ کو بے مثال فتوحات سے نوازا مگر اس کے شکر کے علاوہ کبھی غرور یا فخر کا شائبہ آپؐ کی طبیعت میں پیدا نہ ہوا۔ فاتحانہ شان کے ساتھ دشمن پر غالب آئے مگر دشمن کے انسانیت سوز ظلموں کے باوجود اس کو عفو و رحم سے نوازا۔ اپنی مہمّات کے لئے پورا جذبہ و جوش رکھتے تھے مگر حکمت و دانش مندی کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ اپنے موقف کے لئے صحیح جدوجہد کی ہر راہ اختیار فرمائی مگر ہزار ظاہری فائدہ کے باوجود عہد پیمان

کی پابندی میں کبھی بال برابر کوتاہی نہ فرماتے۔ مشکلات، مصائب اور دشمن کی ظاہری لحاظ سے کئی گنا طاقت کا پورا احساس ہوتا تھا مگر عزم و ارادہ کی پختگی اور استقامت میں کبھی فرق نہ آیا۔ غزوات میں سارے لشکر کی قیادت کی ذمہ داری سرانجام دینے کے لئے پہلی صفوں سے ہٹ کر مقام قیادت سے رہنمائی بھی فرماتے مگر حسب موقعہ صف اوّل میں عام سپاہیوں کی طرح شریک بھی ہوتے اور جنگ سے پہلے اور بعد عام سپاہیوں کی طرح خدمات میں برابر شرکت فرماتے۔ ظاہری اور مادی سامانوں کے لحاظ سے اور لشکر کی تعداد کے لحاظ سے بھی کا پورا علم اور احساس رکھتے ہوئے بھی خدا کے نام کی غیرت کے لئے خدا کی عظمت کا نعرہ بلند کرنے سے نہ رُکتے۔ طاقت، قوت اور غلبہ رکھتے ہوئے بھی اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہوتا تو صلح کو قبول فرماتے۔ دشمن کے جارحانہ حملوں کے توڑ کے لئے پوری قوت استعمال فرماتے مگر عورتوں اور بچوں، بوڑھوں اور راہبوں اور دشمن فوج کے ساتھ کام کرنے والے خادموں اور مزدوروں پر حملہ سے سختی سے منع فرماتے۔

باوجود حد درجہ بصیرت اور فہم اور دانائی اور حکمت کا مجسمہ ہونے کے اپنے ادنیٰ متبعین کی مفید رائے قبول فرماتے اور اس پر اظہار خوشنودی فرماتے۔ خونی دشمنوں اور جان کے پیاسے جارحانہ حملہ آوروں کے مقابلہ میں بھی فوری ردّ عمل اور تدبیر کا ایسا طریق اختیار فرماتے جس سے دشمن کا جانی و مالی نقصان کم سے کم ہو۔ جذبہ شوق جہاد و شہادت طبیعت میں یہ خواہش پیدا کرتی تھی کہ ہر محاذ پر خود پہنچیں۔ ہر سریہ پر خود تشریف لے جائیں مگر حکمت، مصلحت اور شفقت علیٰ خلق اللہ کی وجہ سے اس شدت خواہش کو بھی حدود میں پابند فرماتے۔

الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کے میدانوں میں بھی تلواروں کی چمک نہیں بلکہ خُلق عظیم کی چمک پیدا ہوئی۔ صفات حسنہ کی تجلی کا ظہور ہوا اور یہ باتیں محض دعویٰ نہیں ٹھوس تاریخی واقعات کی شہادت اپنے ساتھ رکھتی ہیں۔ ——— بدر کا میدان گواہ ہے کہ اس نے توکل اور متضرعانہ دعاؤں کا بے مثال نظارہ کیا ——— اُحد کا پہاڑ جاں نثاری اور صبر و ثبات اور خدا کے نام کے لئے غیرت کی گواہی دے رہا ہے۔ مدینہ کی خندق مسلسل بھوک کی برداشت بے پناہ محنت، بے مثال استقامت اور شانہ بشانہ شرکت عمل کا نشان ہے ——— حدیبیہ طاقت و قوت کے باوجود امن و صلح و آشتی سے پیار کا جھنڈا بلند کر رہی ہے فتح مکہ حسن انتظام و جامع planning اور عفو در گذر عام اور فتح مبین کا نظارہ دکھلا رہی ہے ——— حنین کی وادی شجاعت و اقدام کا مافوق البشر نظارہ پیش کرتی ہے۔ طائف کی فصیل، تہوّر اور جانی دشمنوں کے خلاف بھی بغض و کینہ سے پاک دل کی عظمت کا جلوہ دکھاتی ہے۔ غرض مکّہ اور مدینہ، طائف اور تبوک، خیبر اور حدیبیہ، عرب کے صحرا اور نخلستان وادیاں اور ٹیلے، گھاٹیاں اور قلعے، گواہ ہیں ان خلق عظیم کے جن کی ایک ہلکی سی جھلک پیش کرنا اس وقت مقصود ہے۔

اس وقت کسی تفصیلی ثبوت کے بیان کی ضرورت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کسی جارحانہ مقصد اور کسی جبر و اکراہ کے لئے نہ تھے۔ ایک زمانہ میں مخالفین اسلام کا سب سے بڑا اعتراض یہی تھا کہ اسلام نے جارحانہ جنگوں کا آغاز کیا۔ اب یہ مسئلہ سلسلہ کے لٹریچر اور تحقیقات و تصنیفات کے ذریعہ خوب صاف ہو چکا ہے اور مخالفین کے اس جھوٹے

اعتراض کی کُلّیۃً بیخ کنی کی جا چکی ہے۔ کفارِ قریش مکّہ نے مسلمانوں پر بے پناہ مظالم توڑے۔ ان کو بنیادی انسانی حقوق سے محروم کیا۔ بغیر کسی قصور کے ان کی عزّت اور جان اور مال پر حملے کئے اور بالآخر ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا اجتماعی سطح پر منصوبہ بنا کر حضورؐ کے گھر کو گھیرے میں لے لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے۔ اپنے عزیز وطن کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت فرما گئے اور اس طرح قریش مکّہ کی جارحیت پر آخری مہر ثبت ہو گئی اور جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ حضورؐ ابھی مکّہ سے باہر غارِ ثور میں ہی مقیم تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی:۔

"اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ
ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ
لَقَدِیْرُ ۙ" (الحج : ۴۰)

کہ اب ان مسلمانوں کو جو مظلوم ہیں۔ دشمن کے حملوں کا مورد ہیں۔ جوابی حملہ کی اجازت دی جاتی ہے۔

ایک اور موقعہ پر قرآن شریف مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

"اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّکَثُوْٓا
اَیْمَانَھُمْ وَھَمُّوْا بِاِخْرَاجِ
الرَّسُوْلِ وَھُمْ بَدَءُوْکُمْ اَوَّلَ
مَرَّۃٍ ؕ" (التوبۃ : ۱۳)

کہ تمہیں ان لوگوں سے لڑنے میں کیا ہچکچاہٹ ہے جنہوں نے عہد شکنی کی اور خدا کے رسولؐ کو نکالنے کا ارادہ کیا۔ وَھُمْ بَدَءُوْکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ اور جنگ کی ابتدا جارحیت کا آغاز ان کی طرف سے ہوا تھا۔ اس بنیادی اصول کو سمجھ لینے کے بعد اس بحث میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف غزوات کے جواز کے اسباب اور وجوہ کیا تھے۔ قریش مکّہ اور مشرکین عرب کے خلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ غزوات ایک ہی سلسلہ کی مختلف کڑیاں تھے اور اس سلسلہ کا نقطۂ آغاز مخالفین کی جارحانہ و ظالمانہ سرگرمیاں تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے بڑے غزوات کی تعداد کم و بیش انیس تھی۔ ان میں سے پہلا اہم غزوہ جو ایک باقاعدہ جنگ کی صورت میں واقع ہوا بدر کے نام سے معروف ہے اور بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلقِ عظیم اور صفاتِ حسنہ کا ظہور چودھویں کے چاند کے حسن اور نور سے بڑھ کر ہوا۔ بدر کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اور قریش کے لشکر کے درمیان ظاہری تعداد اور مادی آلاتِ جنگ اور سامانوں کے لحاظ سے کوئی نسبت نہ تھی۔ قریش کو کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے سارے عرب میں احترام کا خاص مقام حاصل تھا اور بنو بکر کے سرداروں سے ایک تازہ معاہدہ کی وجہ سے وہ پشت کی طرف سے بالکل محفوظ تھے۔ ان کی تعداد مسلمانوں کے مقابلہ میں تین گنا سے زیادہ تھی اور وہ سب کے سب ماہرِ فنون جنگجو، اور بہترین زرہ بکتر اور ہتھیاروں سے لیس تھے۔ جبکہ صحابہؓ میں صرف چھ سات زرہ پوش تھے۔ سارے اسلامی لشکر میں بمشکل دو گھوڑے تھے اور اونٹ بھی اتنے کم کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی الگ سواری نہ تھی جبکہ قریش کے لشکر میں روزانہ ایک دن نو اور ایک دن دس اونٹ صرف لشکر کے گوشت کی سپلائی کے لئے ذبح کئے جاتے تھے۔ شتر سوار فوج کے علاوہ قریش کا لشکر سو گھوڑوں کے ایک رسالہ پر مشتمل تھا جو میدانِ جنگ

کی ظاہری صورت کے لحاظ سے بھی قریش کا لشکر پختہ زمین پر قبضہ کر چکا تھا جبکہ اسلامی لشکر ریتلی زمین پر ٹھہرنے پر مجبور ہوا جو نقل و حرکت میں روک تھا۔ مگر اس ظاہری بے سروسامانی اس عدم توازنِ طاقت کے باوجود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولوالعزمی اور استقامت میں اور اسلام کی فتح پر پورے یقین میں کوئی تزلزل نہ پیدا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توکل نہ نہ اپنی تدبیر پر تھا نہ اپنی تعداد اور سامانوں پر۔ آپؐ کا بھروسہ اپنے ربّ پر تھا۔ اپنے مولیٰ کریم کی نصرت پر تھا۔ اسی خالق الوکل کی تائید پر تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے نکلے اور مختلف وادیوں اور گھاٹیوں سے گزرتے ہوئے حکمت و تدبیر کے ساتھ نقل و حرکت کرتے ہوئے بدر کی طرف روانہ ہوئے تو لکھا ہے ——— کہ سواریوں کی کمی کی وجہ سے مسلمان باری باری سوار ہوتے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی کوئی الگ سواری نہ تھی۔ آپؐ کو بھی دوسروں کے ساتھ باری باری سے چڑھنا اور اُتر کر پیدل چلنا پڑتا تھا۔ آپؐ کے دونوں ساتھی بڑے اصرار سے عرض کرتے کہ ہم پیدل چلتے ہیں۔ حضورؐ سوار رہیں مگر آپؐ جواب میں فرماتے:-

"ما انتما باقوی علی المشی منّی وما انا اغنی عن الاجر منکما"

کہ نہ تم مجھ سے پیدل چلنے میں زیادہ طاقتور ہو اور نہ ہی خدا تعالیٰ سے ملنے والے اجر کی خواہش اور احتیاج مجھے تم سے کم ہے

مدینہ سے بدر کے راستہ میں ایک ہو واقعہ پیش آیا۔ جو انسانیت کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے اس واقعہ سے نہ صرف اس بات کی عکاسی ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلبِ مطہر ہر قسم کی باریک در باریک عہد شکنی اور وعدہ خلافی سے پاک تھا بلکہ آپؐ کی قوتِ قدسیہ اور انفاسِ روحانیہ سے جو پاک تبدیلی پیدا ہوئی اس کی ایک خوبصورت تصویر بھی ہمارے سامنے آتی ہے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ بدر کے راستہ میں ذفران مقام پر دشمن کے لشکر جرار کے متعلق ملنے والی رپورٹوں کے متعلق صحابہؓ کو اطلاع دیتے ہوئے دشمن سے ٹکر لینے کے متعلق مشورہ طلب کیا۔ خصوصیت سے حضورؐ کے ذہن میں اس مشورہ پر یہ بات کام کر رہی تھی کہ مکہ کے قیام کے پُرآشوب زمانہ میں جب انصار مدینہ کا وفد حضورؐ سے ملا تھا تو انہوں نے حضورؐ سے درخواست کی کہ حضورؐ مدینہ ہجرت کر کے تشریف لے آئیں اور ساتھ ہی ان لوگوں نے یہ ذمہ داری بھی قبول کی تھی کہ اگر کسی بیرونی دشمن نے حضورؐ پر مدینہ میں حملہ کیا تو ہم حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے اور دشمن کے مقابلہ میں دفاع کریں گے۔ ابتدائی زمانہ کے معروف سیرت نگار ابن ہشام نے وضاحت کی ہے کہ اس گفتگو کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو احساس تھا کہ شاید انصار کو یہ خیال ہو کہ وہ مدینہ سے باہر جا کر لڑنے کے پابند نہیں اور اگرچہ یہ بات کسی باقاعدہ رسمی معاہدہ کی رو سے نہیں کی گئی تھی مگر حضورؐ کی پاک طبیعت نے یہ بھی پسند نہ فرمایا کہ مکہ کے زمانہ کی اس گفتگو سے اگر اس قسم کے عہد کا شائبہ بھی پیدا ہوتا ہے تو اس کی خلاف ورزی ہو چنانچہ حضورؐ نے دشمن کے لشکر کی تازہ اطلاعات کا تذکرہ فرما کر مشورہ طلب فرمایا۔ مورخین کہتے ہیں کہ اس موقع پر بزرگ

صحابہؓ میں سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بڑی خوبصورت تقاریر کیں۔ اس کے بعد نوجوانوں میں سے مقدادؓ بن اسود نے نوجوان نسل کے جواں سال اخلاص کی نمائندگی کا گویا حق ادا کر دیا۔ مقدادؓ کھڑے ہوئے اور عرض کی۔ "یا رسول اللہؐ! آپ خدا تعالیٰ کی راہ میں آگے بڑھئے۔ ہم آپؐ کے ساتھ ہیں۔ ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ "جا تو اور تیرا خدا جا کر لڑو ہم یہیں بیٹھے ہیں۔" ہم آپؐ کے دائیں بھی لڑیں گے اور آپؐ کے بائیں بھی لڑیں گے۔ آپؐ کے آگے ہو کر بھی لڑیں گے اور آپؐ کے پیچھے ہو کر بھی لڑیں گے۔"

آپؐ نے یہ تقریر سنی تو آپ کا چہرۂ مبارک خوشی سے تمتمانے لگا۔ مگر اس کے باوجود آپؐ کو وفائے عہد کے باریک پہلوؤں کا اس شدت سے احساس تھا کہ آپؐ انصار سے مکہ کے زمانہ کی گفتگو کی بناء پر ان کی طرف سے آزادانہ اظہارِ رائے کے منتظر تھے۔ ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کھل کر انصارؓ کو مشورہ کے لئے بھی ارشاد نہ فرماتے تھے کہ شاید اس میں بھی کوئی دباؤ کا پہلو نہ سمجھا جائے۔ ادھر انصار غالباً اس خیال سے قریشِ مکہ کے لشکر کے خلاف مقابلہ کی مہم میں پیش قدمی کے لئے کچھ نہ کہنا چاہتے تھے کہ قریشِ مکہ باوجود دشمن ہونے کے مسلمان مہاجرین کے قریبی عزیز اور بھائی بند تھے اور وہ مہاجرین کے جذبات کے انتہائی احترام کو مدنظر رکھنے پر مجبور ہو کر خاموش تھے بالآخر سعد بن معاذؓ کو انصار کی نمائندگی کا شرف حاصل ہوا اور انہوں نے حضورؐ سے پوچھا کہ شاید حضورؐ کا اشارہ ہماری طرف ہے۔ فرمایا "ہاں!"

اس پر معاذؓ نے عرض کیا ——— حضورؐ! ہم آپؐ پر ایمان لائے اور ہم نے آپؐ کی تصدیق کی اور ہم نے یہ گواہی دی کہ آپؐ جو کچھ لائے وہ حق ہے اور ہم نے آپؐ سے یہ پختہ عہد باندھا ہے اور ایک مضبوط میثاق آپؐ سے کیا ہے کہ ہم آپؐ کی بات سنیں گے اور آپؐ کی اطاعت کریں گے۔ یا رسول اللہؐ! آگے بڑھیئے اور ہم آپؐ کے ساتھ ہیں۔ اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ یہ جو سامنے سمندر ہے اگر آپؐ ہمیں اس میں کود جانے کو کہیں تو ہم کود جائیں گے اور ہم میں سے ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہم لڑائی میں صابر و ثابت قدم رہیں گے اور دشمن سے مقابلہ میں صدق کا نمونہ دکھائیں گے اور امید ہے کہ خدا ہمارے وجود میں آپؐ کو وہ نظارہ دکھائے گا جو آپؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہو گا۔"

عہد کی پابندی کا جو احساس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک میں تھا اس کا ایک اور عجیب نظارہ بھی اس غزوہ میں نظر آیا۔ حذیفہؓ بن یمان کہتے ہیں کہ میں غزوہ بدر میں شامل نہ ہو سکا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ میں اور میرا ایک ساتھی ابو حسیل سفر میں تھے کہ کفارِ مکہ نے ہمیں پکڑ لیا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا رہے ہو (تاکہ آپؐ کے ساتھ لشکر میں شامل ہو) ہم نے کہا۔ ہم تو مدینہ جا رہے ہیں اس پر انہوں نے ہم سے یہ عہد لے کر چھوڑا کہ ہم مدینہ چلے جائیں گے اور کفار کے خلاف لڑائی میں شامل نہ ہوں گے یہ عہد کو جارحانہ حملہ آوروں نے جبراً لیا تھا اور کسی معروف ضابطۂ اخلاق کے مطابق اس کا ایفاء لازمی نہیں تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عہد کا اتنا پاس تھا کہ ایسے نازک وقت میں جبکہ ایک

ایک سپاہی کی ضرورت تھی۔ آپؐ نے فرمایا:۔

"تو پھر تم جاؤ اور اپنے عہد کو پورا کرو۔ ہم اللہ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور اُسی کی نصرت پر ہمارا بھروسہ ہے۔"

مہاجرین و انصار کے جاں نثارانہ مشورہ کے بعد حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنے ساتھ لے کر تیزی سے اسلامی لشکر سے آگے نکل گئے اور قریش کے لشکر کے متعلق معین رپورٹ لے کر واپس تشریف لائے اور ان کی لشکر گاہ کو مدِّ نظر رکھ کر ایک میدان میں ڈیرہ ڈالنے کا ارشاد فرمایا۔ اس پر حبابؓ بن منذر نے عرض کیا:۔۔۔

"ارأیت ھذا المنزل أمنزل أنزلکه الله لیس لنا ان نتقدمه ولا نتأخر عنه أم هو الرأی والحرب والمکیدة"

کہ حضورؐ! یہ مقام جس پر حضورؐ اترے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے ہے اگر ایسا ہے تو ہم کسی تبدیلی کے مجاز نہیں یا یہ مقام رائے اور فوجی تدبیر کی بناء پر اختیار کیا گیا ہے؟

آپؐ نے جواب دیا کہ یہ فیصلہ رائے اور تدبیر پر مبنی ہے۔ حبابؓ نے عرض کی۔ حضورؐ لشکر کو فلاں مقام پر لے جائیں جہاں یہ یہ فائدے ہوں گے۔ حضورؐ نے اپنے سابقہ فیصلہ کو تبدیل فرماتے ہوئے ایک نسبتاً غیر معروف صحابیؓ کی رائے کو قبول فرمایا اور ان کو اظہار خوشنودی سے نوازا۔

ان تمام تو ظاہری تدبیروں کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھروسہ صرف اپنے رب پر تھا اور بدر کے میدان نے پرسوز دعاؤں اور متضرعانہ التجاؤں کا ایک بے مثال نظارہ دیکھا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات بھر خدا کے حضور گریہ و زاری سے دعائیں کیں اور لکھا ہے کہ سارے لشکر میں صرف آپؐ ہی تھے جو رات بھر جاگے۔ باقی سب لوگ باری باری اپنی نیند سو لئے۔ دوسری صبح جب کفار کا تین گنا بڑا لشکر زرہ بکتر سے مسلح اپنے گھوڑ سوار دستہ کے ساتھ بڑے کرّوفر سے سامنے آیا تو حضورؐ نے دعا کی:۔

"اے میرے اللہ یہ قریش تکبّر اور غرور کے نشہ میں مست آئے ہیں۔ یہ تیری مخالفت کرتے ہیں۔ تیرے رسولؐ کی تکذیب کرتے ہیں۔ اے میرے اللہ! اب میری وہ مدد فرما جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اور آج کی صبح ان کی ہلاکت کے سامان فرما۔"

اور جب قریش نے عام حملہ کے لئے پیش قدمی کی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت رقت کے ساتھ خدا تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلائے ہوئے دعائیں کر رہے تھے۔ اور نہایت اضطراب کی حالت میں فرماتے تھے:۔۔۔

"اللّٰھم انی انشدک عھدک و وعدک۔ اللّٰھم ان تھلک ھذہ العصابة من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض۔"

اے میرے خدا اپنے وعدہ کو اپنے عہد کو پورا فرما۔ اے میرے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت آج ہلاک ہو گئی تو دنیا میں تجھے پوجنے والا کوئی نہیں رہے گا۔

اس وقت آپؐ اس قدر کرب کی حالت میں تھے کہ کبھی آپؐ

سجدہ میں گر جاتے اور کبھی کھڑے ہو کر خدا کو پکارتے تھے اور آپؐ کی چادر آپؐ کے کندھوں سے گر گر پڑتی تھی۔ حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ مجھے لڑتے لڑتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آتا اور میں دوڑ کر آپؐ کے پاس پہنچتا تو دیکھتا کہ آپؐ سجدہ میں ہیں اور آپ کی زبان پر "یاحیی یاقیوم، یاحیی یاقیوم" کے الفاظ جاری ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ جوشِ فدائیت میں آپؐ کی اس حالت کو دیکھ کر بے چین ہوئے جاتے اور عرض کرتے۔ "یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ گھبرائیں نہیں اللہ اپنے وعدے ضرور پورے کرے گا" مگر اس مقولہ کے مطابق کہ:—

"ہر کہ عارف تر است ترساں تر"

برابر دعا و گریہ وزاری میں مصروف رہے۔

لڑائی شروع ہونے سے پہلے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کی صف آرائی فرما رہے تھے تو خلقِ عظیم کی عجیب چمکار ظاہر ہوئی۔ حضورؐ کے دستِ مبارک میں ایک تیر تھا۔ سوادؓ نامی ایک انصاری صحابی صف سے باہر نکلے ہوئے تھے حضورؐ نے اس تیر سے اُن کے پیٹ کو چھو کر ہدایت فرمائی کہ صف سیدھی کریں۔ سوادؓ نے کہا:—

"یارسول اللہ اوجعتنی وقد
بعثک اللہ بالحق والعدل
فاقدنی"

یارسول اللہؐ! آپؐ کے ہاتھ سے مجھے تکلیف پہنچی ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حق اور انصاف کی تعلیم دے کر بھیجا ہے آپؐ مجھے اس کا بدلہ دیجئے!"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بدن مبارک سے کپڑا اٹھا دیا اور کہا۔ کہ بدلہ لے لو! اور سوادؓ بے اختیار حضورؐ کو چمٹ گئے اور آپؐ کے بدن مبارک کا بوسہ لے لیا۔ حضورؐ نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟" سوادؓ نے عرض کی:—

"حضورؐ! صورت جو اس وقت ہے آپؐ کے سامنے ہے۔ میں نے چاہا کہ آخری ملاقات سے پہلے میرا جسم آپ کے جسم مبارک سے چھو جائے۔"

گھمسان کی لڑائی شروع ہونے سے پہلے عرب کے قدیم دستور کے مطابق لشکرِ قریش کا ایک چوٹی کا جنگجو سردار عتبہ اپنے بھائی شیبہ اور بیٹے ولید کو لے کر سامنے آیا۔ اور انفرادی لڑائی کے لئے چیلنج دیا۔ قبل اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس بارہ میں کوئی اشارہ ہو انصار جو اپنے اندر فدائیت کا ایک جوش رکھتے تھے۔ میں سے چند نوجوان مقابلہ کے لئے آگے بڑھے۔ طبقات ابن سعد کے بیان کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر یہ انصار نوجوان واپس لوٹ آئے اور ان سرداران قریش نے مطالبہ کیا کہ ان کے ہم مرتبہ مقابلہ کے لئے بھیجے جائیں۔ اس موقعہ پر بھی حضورؐ کے خلقِ عظیم کا اظہار ہوا۔ حضورؐ نے اس نازک ترین موقعہ پر سارے لشکر میں سے اپنے عزیز ترین اور قریب ترین رشتہ داروں کا انتخاب فرما کر ارشاد فرمایا:—

"قُم یا حمزۃؓ! قُم یا علیؓ
قُم یا عبیدۃؓ بن الحارث!"

حضرت حمزہؓ حضورؐ کے سگے چچا اور رضاعی بھائی تھے حضرت علیؓ آپؐ کے چچا زاد بھائی۔ آپ کی پیاری بیٹی حضرت فاطمۃ الزہراؓ

کے ہونے والے شوہر اور آپؐ کے گھر میں پرورش پانے کے سبب سے آپؐ کے بچوں کی طرح تھے اور حضرت عبیدہؓ بن الحارث آپؐ کی قریبی برادری سے تعلق رکھتے تھے۔

جنگ بدر کے ابتدائی مراحل کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم متضرعانہ دعا میں مصروف تھے کہ ایک لمحہ کے لیے حضورؐ پر غنودگی کی سی کیفیت پیدا ہوئی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح کی بشارت دی گئی۔ حضورؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو اس بشارت کی اطلاع فرمائی اور سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ کی آیت پڑھتے ہوئے حضورؐ آگے بڑھے اور کنکروں کی ایک مٹھی اٹھائی اور اسے کفار کی طرف پھینکا اور جوش کے ساتھ فرمایا "شاہت الوجوہ" (دشمنوں کے منہ بگڑ جائیں) اور ساتھ ہی صحابہؓ کو بلند آواز سے حکم دیا "شُدُّوا" (زور سے حملہ کرو) ابن ہشام کہتے ہیں۔ "فَكَانَتِ الْهَزِيمَةُ" کہ حضورؐ کے اس ارشاد کے ساتھ قریش کے لشکر جرار کے پاؤں اکھڑنے شروع ہو گئے ادھر آپؐ کا مٹھی بھر کر پھینکنا تھا کہ ایسی آندھی کا جھونکا آیا کہ کفار کی آنکھیں اور منہ اور ناک ریت اور کنکر سے بھرنے شروع ہو گئے اور آپؐ نے فرمایا کہ ملائکہ کی فوج ہماری نصرت کو آئی ہے مسلمانوں کے فوری حملہ اور آندھی کے اچانک جھونکے کے نتیجہ میں قریش کے لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی اور تھوڑی دیر میں میدان صاف تھا۔

اس عظیم فتح کے بعد ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی طرف سے کسی فخر و غرور کا اظہار نہیں ہوا کسی تکبر اور نخوت کا مظاہرہ نہیں ہوا۔ اس وقت قلب مطہر کی جو کیفیت تھی اس کا بیان حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی زبان مبارک سے سنیئے۔ فرماتے ہیں:۔

"جب دوسرے کاموں سے فراغت حاصل ہوئی تو آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔ کہ رؤسائے قریش کو ایک جگہ جمع کر کے دفن کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک گڑھے میں چوبیس رؤسا کی لاشوں کو اکٹھا کر کے دفن کر دیا گیا۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کا یہ عام طریق تھا کہ حتی الوسع کسی لاش کو کھلا نہیں رہنے دیتے تھے خواہ دشمن ہی کی کیوں نہ ہو۔ واپسی سے قبل آپؐ اس گڑھے کے پاس تشریف لے گئے جس میں رؤسائے قریش دفن کئے گئے تھے۔ پھر ان میں سے ایک ایک کا نام لے کر پکارا اور فرمایا هَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَكُمُ اللّٰهُ حَقًّا فَإِنِّي وَجَدْتُ مَا وَعَدَنِي اللّٰهُ حَقًّا یعنی تم نے اس وعدہ کو حق پایا جو خدا نے میرے ذریعہ تم سے کیا تھا تحقیق میں نے تو اس وعدہ کو حق پایا ہے جو خدا نے مجھ سے کیا تھا نیز فرمایا یا اھل القلیب بئس عشیرۃ النبی کنتم لنبیکم کذبتمونی وصدقنی الناس واخرجتمونی وآوانی الناس وقاتلتمونی ونصرنی الناس یعنی اے گڑھے میں پڑے ہوئے لوگو! تم اپنے نبیؐ کے بہت برے رشتہ دار بنے۔

تم نے مجھے جھٹلایا اور دوسرے لوگوں نے میری
تصدیق کی۔ تم نے مجھے میرے وطن سے نکالا اور
دوسروں نے مجھے پناہ دی تم نے میرے خلاف
جنگ کی اور دوسروں نے میری مدد کی......
آنحضرت صلعم کے یہ کلمات جو اوپر درج کئے گئے
ہیں اپنے اندر ایک عجیب درد و الم کی آمیزش
رکھتے ہیں اور ان سے اس قلبی کیفیت کا کچھ
تھوڑا سا اندازہ ہو سکتا ہے جو اس وقت آپؐ
پر طاری تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت
قریش کی مخالفت کی گزشتہ تاریخ آپؐ کی
آنکھوں کے سامنے تھی اور آپؐ عالم تخیل میں
اس کا ایک ایک ورق الٹاتے جاتے تھے۔
اور آپؐ کا دل ان اوراق کے مطالعہ سے
بے چین تھا۔ آپؐ کے یہ الفاظ اس بات
کا بھی یقینی ثبوت ہیں کہ اس سلسلہ جنگ
کے آغاز کی ذمہ واری کلیۃً کفار مکہ پر تھی
جیسا کہ آپؐ کے الفاظ قاتلتمونی ونصرنی
الناس سے ظاہر ہے یعنی اے میری قوم کے
لوگو تم نے مجھ سے جنگ کی اور دوسروں نے
میری مدد کی اور کم از کم ان الفاظ سے یہ تو ضرور
ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم اپنی جگہ یہی
یقین رکھتے تھے کہ ان جنگوں کی ابتداء کفار کی
طرف سے ہوئی ہے اور آپؐ نے مجبور ہو کر محض
خود حفاظتی میں تلوار اٹھائی ہے۔"

(سیرۃ خاتم النبیینؐ" جلد دوم صفحہ ۱۵۴)

جنگ بدر میں جانی دشمنوں کے لشکر کے بہت سے
سپاہی مسلمانوں کی قید میں آئے۔ اور ان قیدیوں سے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی اور شفقت کی ایک جھلک خود ایک
قیدی کے اس بیان سے نظر آتی ہے جو سیرۃ نگاروں نے بتکرار
درج کیا ہے۔ ابن ہشامؒ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے قیدیوں سے نیک سلوک کی تاکید فرمائی تھی۔ ایک قیدی
ابو عزیز بن عمیر کا بیان ہے کہ:۔

"آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم کی
وجہ سے انصارؓ مجھے تو پکی ہوئی روٹی دیتے
تھے خود کھجور کھا کر گزارہ کر لیتے تھے۔ کبھی ان
کے پاس روٹی کا چھوٹا سا ٹکڑا بھی ہوتا تو وہ
مجھے دے دیتے خود نہ کھاتے اگر میں کبھی شرم
کی وجہ سے واپس کرتا تو وہ اس کو ہاتھ بھی نہ لگاتے"

سر ولیم میور جیسے متعصب مغربی مصنف نے بعض قیدیوں کی
اس شہادت کو ان الفاظ میں درج کیا ہے:۔

"خدا بھلا کرے مدینہ والوں کا وہ ہم کو سوار
کرتے تھے اور آپ پیدل چلتے تھے ہم کو
گندم کی پکی ہوئی روٹی دیتے تھے اور آپ
صرف کھجوریں کھا کر پڑ رہتے تھے" (لائف آف محمدؐ)

بدر کے موقعہ پر قید ہونے والوں میں حضورؐ کے حقیقی
چچا حضرت عباسؓ بھی تھے۔ حضرت عباسؓ نے اگرچہ ظاہرا
بیعت نہیں کی تھی۔ مگر وہ ہجرت سے پہلے مکہ میں حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کی تائید اور حفاظت میں لگے رہتے اور انصارؓ مدینہ
کے وفد سے مکہ میں جو ملاقات ہوئی جس میں حضورؐ کے مدینہ
ہجرت کرنے کا معاملہ زیر غور آیا تھا۔ اس میں بھی حضرت عباسؓ

نیز حضورؐ کے خاندان کی طرف سے نمائندگی کی تھی اور اب مکہ میں بغیر ظاہری طور پر بیعت کرنے کے اسلامی مفادات کے تحفظ کی نمائندگی کر رہے تھے مگر چونکہ ظاہراً کفار کے لشکر میں شامل تھے اس لئے قیدی ہونے کی صورت میں پہلی رات دوسرے قیدیوں کی طرح مسجد نبویؐ میں باندھ کر رکھے گئے تا وقتیکہ قیدیوں کے فدیہ کے متعلق اصولی فیصلہ ہو طبعاً حضرت عباسؓ کے لئے یہ صورت حال تکلیف دہ تھی اور ان کے کراہنے کی آواز بلند ہو رہی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شفقت بھرا دل اس آواز سے بے چین تھا اور آپؐ کو نیند نہ آتی تھی انصار کو اس کا علم ہوا انھوں نے حضرت عباسؓ کے بندھن کھول دیئے اور ان کے کراہنے کی آواز بند ہو گئی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو فوراً اس کا احساس ہوا اور حضورؐ نے ہرگز گوارا نہ رکھا کہ حضورؐ سے رشتہ داری کی بناء پر کوئی رو رعایت کی جائے اور حکم فرمایا کہ باقی قیدیوں کے بندھن بھی کھول دیئے جائیں اور اس طرح قیدیوں کے پہرہ کی ذمہ داری کلیتہً مسلمانوں پر آ پڑی۔

اس ضمن میں حضورؐ کے جذبۂ عدل و انصاف کا ایک اور ظہور ہوا جب یہ فیصلہ ہوا کہ صاحبِ استطاعت قیدیوں سے فدیہ لے کر ان کو رہا کر دیا جائے تو انصار نے چاہا کہ حضرت عباسؓ کا فدیہ نہ لیا جائے۔ یہ تو وہ جانتے تھے کہ حضورؐ سے تعلق کی بناء پر اگر یہ درخواست حضورؐ کی خدمت میں کی گئی تو کبھی منظور نہ ہو گی۔ اس لئے حضرت عباسؓ کی دادی جو مدینہ کی رہنے والی تھیں کے رشتہ کو واسطہ بنا کر انھوں نے عرض کی کہ عباسؓ ہمارے بھانجے ہیں ان سے فدیہ نہ لیا جائے انصارؓ کی اس حسنِ طلب کا اصل محرک تو حضرت عباسؓ کا حضورؐ سے تعلق رشتہ داری ہی تھا اور اگرچہ قرآن شریف کی رو سے قیدیوں کو بغیر فدیہ لئے چھوڑنا جائز تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل و انصاف کے اظہار کے باریک تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ عباسؓ کے فدیہ میں سے ایک درہم بھی معاف نہیں کیا جائے گا۔

بدر کی فتح ہر لحاظ سے اور ہر پہلو سے ایک غیر معمولی فتح تھی اس جنگ میں ائمہ کفر کاٹ کر رکھ دیئے گئے تھے۔ مکہ کے جگر گوشے صفحۂ ہستی سے مٹ گئے تھے۔ قیدیوں کی بڑی تعداد اور جنگی سازو سامان کی بڑی مقدار مسلمانوں کے ہاتھ میں آئی تھی۔ دوسرے فاتحین ایسی فتح کو مزید فتوحات کا ذریعہ بناتے اور سہمے ہوئے دشمن کو مغلوب کرنے کا وسیلہ بناتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطہر دل کی وسعتِ حوصلہ اور عالی ظرفی کی عکاسی ان آیاتِ قرآنی سے ہوتی ہے جو اس موقعہ پر نازل ہوئیں۔ بجائے اس کے کہ اس عظیم فتح کو دشمن کی مزید مغلوبیت اور ذلت کا ذریعہ بنایا جاتا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں قریشِ مکہ کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝"

(الانفال: ۲۰)

اے کفارِ مکہ! تم فتح کا نشان مانگتے تھے تو وہ نشانِ فتح تو تمہیں مل گیا اور اب اگر تم جنگ سے رک جاؤ تو تمہارا ہی فائدہ ہے اور اگر تم پہلے کی طرح دوبارہ حملہ کرو گے تو ہم بھی دوبارہ

مقابلہ کریں گے اور تمہارا جتھہ خواہ وہ کتنا
ہی مضبوط ہو۔ ہرگز تمہیں کوئی فائدہ نہ دیگا
اور اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے۔

اور حضورؐ کی زبانِ مبارک سے ان کو پھر ایک موقعہ دیا:۔

"قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا
يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ
يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ
الْاَوَّلِيْنَ" (الانفال: ۳۹)

یعنی تم ان کفار سے ـــ کہ جو کفر کے مرتکب
ہوئے کہہ دو کہ اگر وہ رُک جائیں تو جو غلطی
وہ پہلے کر چکے ہیں ـــ کو معاف کر دیا جائے گا
اور اگر وہ دوبارہ حملہ کریں گے تو یاد رکھیں کہ
ماضی میں اس کا نمونہ موجود ہے

یہ قرآنی آیات جو حضورؐ کے قلبِ مطہر سے گہری مناسبت کی
وجہ سے حضورؐ پر نازل ہوئیں ایک منشرح سینہ اور عالی ظرف
کی عکاسی کرتی ہیں۔

بدر کے بعد دو اہم غزوات غزوۂ اُحد مع غزوہ حمراء
الاسد اور غزوہ خندق کے نام سے معروف ہیں ان غزوات
میں ایک عجیب اور نرالے رنگ میں خُلقِ عظیم کی تجلیات چمکیں
جانفروشی، صبر و استقامت، عزم و استقلال، ہمت اور
شجاعت، ان تھک بے پایاں محنت، جانفشانی، شرکت
و تعاون فی العمل، بھوک کی برداشت، تحمل شدائد، نازک
سے نازک مقام پر خدا کے نام کی غیرت وغیرہ صفات حسنہ کا
عظیم الشان مظاہرہ ہوا اور اگرچہ دلی جوش دامنِ دل کو
اس طرف کھینچ رہا ہے کہ خون و پسینہ سے سینچے ہوئے

ان لہو رنگی سے بھرپور ان ذو و اجیوں کے مدوجزر پر دوڑتی رہ کا ہنستے ہی
تفصیلی مشاہدہ کیا جائے مگر پابندیٔ وقت اس راہ میں حائل ہے
اور یہی امر خُلقِ عظیم کی اس عظیم تجلی کی تفصیل کے بیان
سے مانع ہے جو فتحِ مکہ کے وقت ظہور میں آئی۔ فتحِ مکہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست حسنِ تدبیر، بے نظیر عفو و رحمت
اور مبین فتح کا عجیب اظہار ہے لشکر کی تیاری نقل و حرکت
ایسے رنگ میں ہوئی اور فتح کی سکیم ایسی احتیاط کے ساتھ تیار
کی گئی کہ کشت و خون کی نوبت نہ آئے اور اس طرح فتح ہو جائے
کہ دشمن کا جانی و مالی نقصان نہ ہو۔ جانی دشمنوں کے مرکز میں
جب قدوسیوں کی فوج داخل ہو رہی تھی تو قتل و غارت اور
کشت و خون کی آوازوں کے بجائے یہ آواز سنائی دی:۔

"جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے
اس کو پناہ دی جاتی ہے۔ جو شخص ابوسفیان
کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو بھی پناہ
دی جاتی ہے جو شخص اپنے گھر کا دروازہ
بند کر لے اس کو بھی پناہ دی جاتی ہے۔ جو
شخص بلالؓ کے جھنڈے کے سایہ میں
کھڑا ہو جائے اس کو بھی پناہ دی جاتی ہے
جو شخص ہتھیار پھینک دے اس کو بھی پناہ
دی جاتی ہے"

اور قدوسیوں کے اس لشکر کی کمان کرتے ہوئے اس مکہ میں
جس کا گوشہ گوشہ اور گلی گلی مسلمانوں پر وحشیانہ مظالم کی
یادگار تھا خدا کا پہلوان صلی اللہ علیہ وسلم فاتحانہ شان کے
ساتھ داخل ہوا تو کسی تکبر اور غرور کا کوئی ذکر؟ عاجزی
اور انکساری اور فروتنی کا یہ عالم تھا کہ سر جھکا ہوا تھا اتنا

جھکا ہوا کہ پیشانی مبارک سواری کے کجاوہ کو قریب قریب چھو رہی تھی۔ اور مکہ پہنچ کر جب اہل مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوئے تو انسانیت کی تاریخ نے عفو و رحمت کا وہ بے نظیر نظارہ دیکھا جس کی مثال نہ اس سے پہلے کبھی ملتی ہے نہ بعد میں۔ وہ اہل مکہ جن کے ہاتھ گزشتہ بیس سال سے مسلمانوں کے خون سے رنگین تھے ان کے لئے ان مبارک ہونٹوں سے یہ آواز بلند ہوئی:۔

"لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ
اِذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ"

آج تم پر کوئی گرفت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔

وقت ہو چکا ہے مگر ذکر حبیبؐ کی خواہش ابھی باقی ہے۔ طائف کے غزوہ کے متعلق ایک بات کہہ کر بیان ختم کرتا ہوں

فتح مکہ کے بعد حنین کی وادی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود سے جرأت و اقدام کا مافوق البشر اظہار دیکھنے میں آیا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی طرف بڑھے اردگرد کا سارا علاقہ فتح ہو چکا تھا مگر طائف والوں نے قلعہ بندی کر لی اور اسلامی لشکر نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ لمبا ہوتا چلا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدوی سردار سے مشورہ کیا اس نے کہا۔ لومڑی اپنے بھٹ میں چھپ گئی ہے اگر آپؐ سختی کریں تو پکڑی جا سکتی ہے لیکن اگر چھوڑ دیں تو کوئی ضرر بھی نہیں دے سکتی۔ چنانچہ بعض صحابہؓ کی طبیعت پر بوجھل ہونے کے باوجود حضورؐ محاصرہ اٹھا کر تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ کے بعد طائف کے لوگ خود بخود مسلمان ہو کر مطیع ہو گئے۔ یہ غزوہ اپنے اندر خلق نبویؐ کا ایک نرالا اظہار رکھتا ہے۔ طائف کا غزوہ وہ واحد غزوہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہؓ کے لشکر نے کسی علاقہ پر پیش قدمی کی ہو مگر اس کو فتح کئے بغیر چھوڑ دیا ہو۔ طائف وہ شہر ہے جس کے باشندوں کی اذیتوں کا ذکر کرتے ہوئے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے دن کو اپنی زندگی کا سخت ترین دن قرار دیا۔ طائف والوں کے ہاتھوں جو اذیتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھائیں ان کا بیان نہایت دردانگیز ہے۔ دور تک حضورؐ پتھروں کی مسلسل بارش سے گزرتے ہوئے لہولہان ہو گئے آپؐ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں مگر طائف ہی ایک ایسی بستی ہے جس پر پیشقدمی کے باوجود جس کا محاصرہ کر لینے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی ظاہری طاقت کی برتری کے باوجود اپنے قبضہ میں نہیں لیا —— کوئی ہلاکو یا ہٹلر ہوتا وہ کسی اور جگہ کو فتح کرتا یا نہ کرتا مگر ایسی جگہ پر اس کی برتر طاقت اپنے پورے زور کے ساتھ حملہ کرتی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک تمام تر شجاعت کے باوجود تہور سے پاک تھا۔ بغض و کینہ سے صاف تھا۔ دشمنوں سے ایسے مقابلہ میں صرف ایک مقام تھا جہاں باوجود پیشقدمی کے اور ظاہری طور پر برتر قوت رکھنے کے آپؐ نے اس مقام کو فتح نہیں کیا اور یہی آپؐ کے عظیم فاتحانہ اخلاق کا ایک زبردست نشان ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ
مُحَمَّدٍ۔ اَفْضَلَ صَلَوَاتِكَ وَبَارِكْ
وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

یہ زمانہ تری جوانی کا

جناب محمد صدیق امرتسری - ایم اے - ربوہ

کیا بھروسہ ہے زندگانی کا — چار دن کی حیاتِ فانی کا

حق تو یہ ہے کہ بحرِ ہستی میں — آدمی بُلبُلا ہے پانی کا

لمحہ اِک بھی عبث نہ جانے دے — اپنی محدُود زندگانی کا

یاد رکھ پھر کبھی نہ لوٹے گا — یہ زمانہ تری جوانی کا

شکر واجب ہے اپنے مولا کا — اُس کے احسان و مہربانی کا

نامُرادی سے جو بچا کے تجھے — مُنہ دکھاتا ہے کامرانی کا

سِکّہ چلتا ہے سب جہانوں پر — ہر گھڑی جس کی حکمرانی کا

عقل اندھی ہے گر ملے نہ اُسے — آسرا وحیِ آسمانی کا

خُوگرِ ظُلم و جور کیا جانیں — کیا سلیقہ ہے دِلستانی کا

آزماتے ہیں نت نئے انداز — بے بسوں پر ستم رسانی کا

آسرا ہے تو ہے فقط ہم کو — ربّ کعبہ کی پاسبانی کا

"حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہُوا"
قلبِ مُضطر کی ترجمانی کا

شرائط نماز ۔ بقیہ صفحہ ۸

منہ سے نیت کے الفاظ ادا کرنا ضروری نہیں۔ البتہ توجیہہ پڑھنا مناسب ہے جو یہ ہے:-

"اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝"

(طبری تاریخ الوفا ۱۶۷/۲
بحوالہ الفضل ۲۲ اپریل ۱۹۶۶ء)

طب و صحت

درختوں کے طبّی فوائد

جناب غلام احمد عطاؔ ، ناظر زراعت ، ربوہ

برگد اسے بڑ بھی کہتے ہیں اس کا دودھ دافع بواسیر ہے اس طرح کہ ہر روز صبح پانچ بوند سے شروع کر کے آہستہ آہستہ دس بوند روزانہ تک پہنچائیں اور پھر آہستہ آہستہ کم کر کے پانچ بوند روزانہ پر واپس آجائیں تو ہر قسم کی بواسیر کا زور کم کرتا ہے۔ بڑ کے دودھ کا لیپ ورم کو تحلیل کرنے اور زخم بھرنے میں مرہم سے بہتر کام کرتا ہے۔ بڑ کے پتے تازہ زخم خشک کرنے میں بے مثل ہیں۔

بکائن اس کے پتوں کو پیس کر لیپ کرنا ورم کم کرتا ہے۔ پٹھوں کے درد کا دافع ہے۔ اسے بدن پر ملنے سے خارش دور ہو جاتی ہے۔ اس کے پھل کا تیل کان کے درد کو آرام پہنچاتا ہے۔

بہیڑا اس کا پھل قابض و مقوی معدہ ہے۔ دردِ سر اور بواسیر بادی کو آرام پہنچاتا ہے۔ بھون کر سفوف کیا ہوا پرانے دستوں کو روکتا ہے۔ مقدار ۳ تا ۵ ماشے۔

بیر بیر فوائد میں سیب کے ہم پلّہ ہے اس کی گٹھلیوں کا جوشاندہ قابض ہوتا ہے اس کے پتوں کو پیس کر زخموں پر باندھنا انھیں پیپ سے پاک کرتا ہے۔ ورم کم کرتا ہے اور جلد بھر لاتا ہے۔

امرود گھروں اور دیہات میں عام پایا جاتا ہے امرود اکثر فوائد میں سیب سے بہتر ہے مفرّح اور ہاضمِ طعام ہے۔ گدّر امرود کو چولہے کی گرم راکھ (بھوبل) میں دبا دیں اور تھوڑی دیر کے بعد نکال کر قدرے نمک کے ساتھ کھائیں تو کھانسی اور نزلہ میں مفید ہے۔ یہ پھل گرمی اور سوزشِ مثانہ کا دافع اور خون کی حدّت کم کرتا ہے۔ امرود کے بیج پیٹ کے کیڑوں (کرم معدہ) کو مارتے ہیں۔ اس کی نرم کونپلوں کو آٹے کے چھان کے ساتھ جوشاندہ کی طرح پکا کر ہلکا میٹھا اور نمک ملا کر پلائیں تو نزلہ کی تحریک کو یقیناً روکتا ہے۔

املتاس اسے سڑکوں پر خوبصورتی کے لئے لگاتے ہیں۔ اس کے پھل کا مسہل لیتے ہیں۔ ملیّن ہے اور آسانی سے دست لاتا ہے۔ حاملہ عورتیں بھی قبض کی حالت میں اسے کھا سکتی ہیں جگر کے سدّے نکالتا ہے اور یرقان اور گرم بخاروں میں نافع ہے۔ گرم پانی میں اس کا غرغرہ کرنا حلق کے ورم کو تحلیل کرتا ہے۔ اس کے پتّے پیس کر باندھنا ورم کو تحلیل کرتا

ہے ساس کے بیج کتر کر کھانا قے لاتا ہے۔

املی اس کا پھل آلو بخارے سے ہم تاثیر بلکہ اس سے لطیف ہوتا ہے۔ دل اور معدہ کو تقویت دیتا ہے۔ متلی کو روکتا ہے اور صفراوی قے کا دافع ہے۔ جوشِ خون اور خارش رفع کرتا ہے۔ پیاس کی شدت کم کرتا ہے اور خفقان و گرما کے بخار میں مفید ہے۔ املی کے پتوں کو پکا کر غرغرہ کرنا خناق اور منہ آنے کو مفید ہے اور درخت کی چھال پیس کر چھڑکنا زخموں کو بھرتا ہے۔ مقدار خوراک ۴ سے ۸ ماشہ۔

آم اس کے پھل کے بے شمار خواص ہیں۔ اعضائے رئیسہ آلاتِ تنفس، آنتوں، گردوں اور مثانہ کو قوت دیتا ہے اور مقوی باہ بھی ہے۔ چہرہ کے رنگ کو کھولتا ہے۔ منہ کو صاف کرتا اور گندہ دہنی کا دافع ہے۔ پیشاب اور پاخانہ کھول کر لاتا ہے۔ کچے آم کی کیری بھلائی ہوئی کھلانا لو کے اثر کو زائل کرتی ہے اور کچے پھول اور گٹھلی بہت سرد اور خشک اور حابس اسہال ہیں۔ اس کی شاخوں اور پھولوں کے جوشاندہ کا غرغرہ کرنا۔ مسوڑھوں کو مستحکم کرتا ہے اور درخت کی چھال جلا کر چھڑکنے سے خون بند ہو جاتا ہے۔ اس کے سوکھے پتوں کا چلم میں تمباکو کے طور پر استعمال کرنا ہچکیاں روکتا ہے۔

آملہ پاکستان کے شمالی اضلاع کا جانا پہچانا درخت ہے۔ قابض ہے اور معدہ سے رطوبت جذب کرتا ہے۔ سوداوی امراض میں مفید ہے۔ ذہن کو بہتر کرتا ہے دل کو فرحت بخشتا ہے۔ دلی امراض میں اس کا مربہ چاندی کے ورق میں لپیٹ کر کھلانے سے تقویت حاصل ہوتی ہے۔

دماغ اور حواس کو درست کرتا ہے اور تبخیر کا مانع ہے۔ آملے کو جلا کر سرمے کے طور پر آنکھ میں لگانے سے آنکھ کا جالا دور ہو جاتا ہے۔ خشک آملوں سے سر دھونا بالوں کا محافظ ہے اور ان کی سیاہی قائم رکھتا ہے۔

ببول اس کی چھال کو پیس کر ناسور میں لگانا ناسور کو بھر دیتا ہے اور ورم تحلیل کرتا ہے اس کے پتوں کو گرم کر کے کمر پر باندھنا دردِ کمر میں آرام دیتا ہے۔

جامن جامن کا پھل ہاضم ہوتا ہے۔ معدہ اور جگر کا مقوی اور ذیابیطس کے لئے سود مند ہے۔ جامن کی نئی کونپلوں کو ابال کر اس سے غرغرہ کرنا خناق اور حلق کی سوزش میں مفید ہے اور مسوڑھوں کو مضبوط کرتا ہے۔ جامنوں کو پیس کر سر کے گنج پر لیپ کرنے پر بال پیدا ہو جاتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

افریقہ کا دیو جاگ رہا ہے
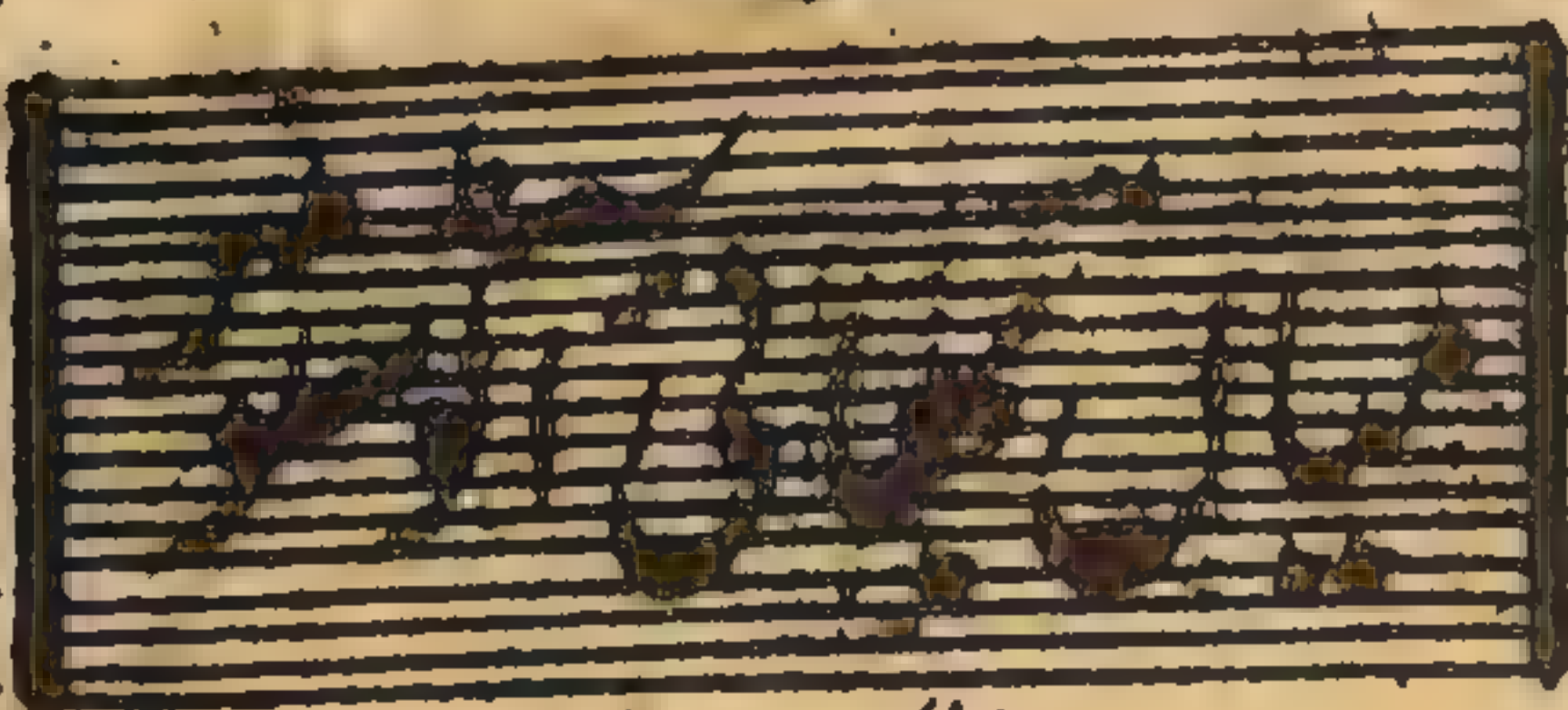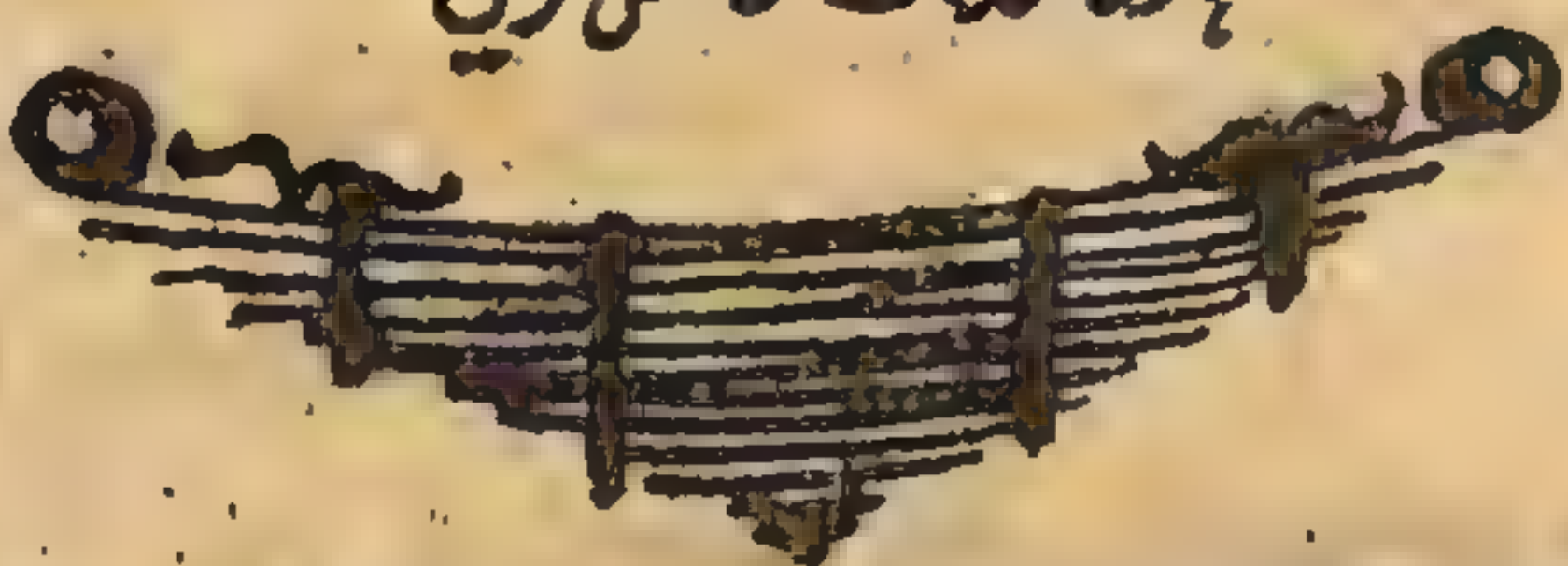
افریقہ کی سیاسی بیداری

جناب مسعود احمد خان
پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ

برطانیہ کے مشہور کولونیل ایڈمنسٹریٹر لارڈ ہیلی نے افریقی اقوام میں سیاسی بیداری کا نام بجائے نیشنل ازم کے افریقن ازم رکھا۔ یہ بات حقیقت کے عین مطابق ہے کیونکہ یورپین کولونیل ازم یا استعمار سے آزادی حاصل کرنے کی مہم تمام افریقہ میں نہ صرف ایک ساتھ شروع ہوئی بلکہ تمام براعظم افریقہ کے ملکوں میں وہ مربوط نظر آتی ہے اور جدوجہد کی یہ ہم آہنگی دراصل ردّعمل ہے۔ اس یورپین پالیسی کا جو براعظم یورپ کے ممالک نے انیسویں صدی میں افریقہ کو اپنے چنگل میں دبا لینے کے لئے اختیار کی اور جس کو بجا طور پر یورپین ازم کا نام دیا جا سکتا ہے۔ کہیں بھی یورپ نے اس طرح پُرامن طور پر اپنے استعمار یا کولونیل ازم کو پروان نہیں چڑھایا جس طرح افریقہ میں ہوا۔ یورپین ممالک امریکہ کی سرزمین پر ملک گیری کے لئے آپس میں لڑے۔ ایشیا کی سرزمین پر بھی یورپین اقوام نے ایک دوسرے کا خون بہایا۔ لیکن جب افریقہ پر قبضہ کرنے کا وقت آیا تو اس وقت مصلحت کا یہی تقاضا تھا کہ وہ آپس میں کسی پالیسی پر متفق ہو جائیں تاکہ جتنے جلد ممکن ہو افریقہ کی تقسیم کا عمل پورا ہو اور جو فوائد یورپین صنعتی ترقی کو حاصل ہو سکتے ہیں ان میں کوئی رخنہ نہ پڑے۔ اس کے لئے ایسے اصول وضع کئے گئے کہ پُرامن طریق پر ۱۸۷۰ء سے ۱۸۹۰ء تک سارے براعظم افریقہ کا فیصلہ ہو چکا تھا کہ کون سا علاقہ کس یورپین طاقت کے قبضہ میں جائیگا یعنی بیس سال میں یورپین طاقتیں اپنی متحدہ کوشش کے ساتھ سارے افریقہ کو اپنا غلام بنانے میں کامیاب ہو گئیں۔ اسی طرح سارے براعظم افریقہ میں یورپین کولونیل ازم یا استعمار سے آزادی حاصل کرنے کی مہم اٹھی اور اسی مہم کے تحت سارے براعظم کے ممالک کو رفتہ رفتہ آزادی ملتی چلی گئی۔ اس مہم کو چاہے افریقہ کی سیاسی بیداری کہا جائے یا افریقن ازم کا نام دیا جائے، بات ایک ہی ہے۔

۱۸۸۵ء میں برلن کے مقام پر تمام یورپین ممالک کی ایک کانفرنس پرنس بسمارک کی زیر صدارت منعقد ہوئی

لوبنگولا نے ایک دفعہ گفتگو میں کہا کہ اگر گرگٹ کی مثال دیکھنا ہو تو یہ انگریز قوم ہے کہ کس طرح پر میرے دوست بنے اور رفتہ رفتہ میرے ملک پر بھی قبضہ کر لیا۔ میرے اقتدار پر بھی قبضہ کر لیا۔ کبھی دوستی کا رنگ ہوتا ہے اور کبھی دشمنی کا۔

اسی طرح ۱۸۹۶ء میں موجودہ ملک گھانا کے اشانٹی قبیلے نے بڑی زبردست بغاوت کی جس میں بادشاہ برابر کا شریک تھا۔ آخر اس کو گرفتار کر کے ملک بدر کر دیا گیا۔ اور سیرالیون بھیج دیا گیا۔ پھر ایک بار بغاوت ۱۹۰۰ء میں ہوئی۔ لیکن جب بادشاہ کو سیرالیون سے بھی نکال کر مغربی افریقہ سے باہر مشرقی افریقہ کے جزیرے سیشلز میں بھیج دیا گیا تو کہیں جا کر بغاوت فرو ہوئی۔ پھر فرانسیسی کولونی نیجیر کے ملک میں ساموری طورے نے ۱۸۹۸ء میں جو وہاں کا ایک مقامی حاکم تھا۔ فرانسیسیوں کے خلاف گوریلا جنگ کروا دی۔ مقامی حاکموں کا بغاوت میں حصہ لینا افریقیوں میں جذبہ آزادی کو برقرار رکھنے میں کافی ممد ثابت ہوا۔

(۴) چوتھی وجہ یہ تھی کہ administration یعنی انتظام حکومت کی ذمہ داری کے تحت ایک طرف قدرتی وسائل کو ترقی دینا شامل تھا تو دوسری طرف تعلیم کی ترویج بھی ضروری تھی تا کہ افریقین لوگ بھی اپنی خوشحالی کا اعتراف کر سکیں اور استعماری طاقتوں کے مرہون منت ہوں۔ لیکن ہوا اس کے برعکس۔ جوں جوں افریقی اقوام تعلیم یافتہ ہوتی چلی گئیں ان کو اپنے قدرتی وسائل کا علم ہوتا گیا۔ اور یہ احساس بڑھتا گیا کہ یہ غیر ملکی ان کو لوٹ رہے ہیں۔ اگر وسائل کا علم نہ ہوتا تو شاید ان کو یہ پتہ نہ چلتا کہ قدرت نے کس کس چیز سے مالا مال کیا ہے اور وہ غیر ملکی اقوام کی چیرہ دستیوں کو سمجھنے کے قابل بھی نہ ہوتے جیسے غالب نے کہا ہے ؎

"نہ لٹتا دن کو تو کیوں رات کو یوں بے خبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو"

اب لازمی نتیجہ یہ تھا کہ افریقی اقوام میں آزادی کا جذبہ بیدار ہوتا گیا۔

(۵) پانچویں وجہ یہ ہوئی کہ جب امریکہ میں غلاموں کو آزاد کیا گیا۔ اس وقت بہت سے سابق غلام افریقیوں کو آزادی کے بعد افریقہ میں لا کر بسایا گیا۔ اس سلسلہ میں تین کولونیاں آباد کی گئیں۔ لائبیریا کو امریکی حکومت نے آباد کیا۔ سیرالیون کی کولونی کو انگریزوں نے قائم کیا اور فرانس نے لیبرویل کو بسایا۔ انگریزوں اور فرانسیسیوں نے تو اپنی کولونیز کو آزاد مملکت نہ رہنے دیا لیکن امریکہ نے جب لائبیریا کو آباد کیا تو شروع سے ہی اس کو ایک آزاد ملک بنایا اور اعلان کر دیا کہ امریکہ کی زیر نگرانی اس کی آزادی برقرار رہے گی۔ لائبیریا ایک آزاد ملک کی حیثیت سے قائم ہوا اور یہ خالصتاً افریقی نژاد باشندوں کے آزاد ملک کی حیثیت سے وہ ترقی کرنے لگا۔ امریکہ کے نیگرو لوگوں نے اس کو اپنا کارنامہ قرار دیا بلکہ باقی افریقہ کے لوگوں نے اور خاص طور پر افریقہ کے دانشوروں نے اس کو اپنی ہم قوم سیاہ فام نسل کا کارنامہ سمجھا۔

اب جہاں افریقہ کے باشندوں کو اپنی صلاحیتوں کا یقین ہوا کہ وہ بطور آزاد قوم اپنے ملک کا نظم و نسق چلا سکتے ہیں وہاں امریکہ کے نیگرو باشندوں کو یہ احساس پیدا ہوا کہ افریقہ وہ زمین ہے جہاں سے ان کے آباؤ اجداد

کو غلام بنا کر لایا گیا تھا۔ اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس سرزمین کو اپنا سمجھیں اور اس کی خوش حالی اور آزادی کے لئے کوشاں ہوں۔ اس جذبہ کا سب سے پہلا اظہار ڈاکٹر بلائیڈن نے کیا جو لائبیریا کالج کا پہلا پرنسپل بنایا گیا۔ اس کے بعد اپنے ملک کا سفیر ہو کر انگلستان بھی گیا۔ اور اپنے ملک کا وزیر داخلہ بھی بنا۔ اس نے بحیثیت پرنسپل ۱۸۵۱ء میں یہ اعلان کیا:۔

"The African must advance by method of his own. We must show that we are able to go alone to carve our own way."

یعنی اب ہم افریقیوں کو اپنی قدرتی صلاحیتیں بروئے کار لا کر یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ ہم اپنی زندگی کی ترقی اور خوشحالی کا راستہ خود متعین کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر بلائیڈن کو "Father of African Intellectualism" یعنی افریقی ذہنی انقلاب کا باوا کہا جائے تو بجا ہے۔ اس کی کوششوں سے افریقی اقوام بیدار ہوئیں۔ اس نے ان کو احساس دلایا کہ یورپ نے ان کے ساتھ کیا کیا زیادتیاں کی ہیں۔ اس نے یورپ پر یہاں تک تنقید کی کہ اس نے کہا:۔

"جس عیسائیت کو یورپ نے انسانیت کے نام پر پسماندہ اقوام اور خصوصاً افریقہ میں متعارف کرایا ہے کی اس کو کبھی انھوں نے گوروں کا مذہب بنا کر پیش کیا اور یہ توقع رکھی کہ افریقی لوگ رنگ کے تو کالے ہیں لیکن اگر یہ اپنے دل و دماغ کو بدل لیں اور ذہنی طور پر یورپین بن جائیں تو عیسائیت کی برکات سے مستفیض ہو سکتے ہیں۔"

اپنے اس خیال کو ثابت کرنے کے لئے اس نے ایک کتاب لکھی جس نے افریقی دانشوروں کو عیسائی ہوتے ہوئے یورپین پادریوں کی نہج سے ہٹ کر سوچنے پر مجبور

کردیا۔ اُس نے اِس کتاب کا نام ہی یہ رکھا کہ :-
"Christianity, Islam & Negro Races."
یعنی عیسائیت، اسلام اور سیاہ فام اقوام۔ اس کتاب میں اس نے اسلام کو یوں خراجِ تحسین ادا کیا کہ :-

"یہ ایسا مذہب ہے کہ اس کی ابتداء عرب سے ہوئی لیکن یہ مذہب جس ملک میں گیا وہاں کے تشخص کو ختم نہ کیا بلکہ اس میں روحانی اور اخلاقی تربیت کر کے پاکیزگی پیدا کی اور اس طرح ایک نئے ماحول کو ذہنی ترقی اور معاشرتی خوشحالی کے ساتھ پروان چڑھایا۔"

مجھے یاد ہے کہ گولڈ کوسٹ کو آزادی سے ہمکنار کرنے والے اور اس کی گھانا کے نام سے آزاد جمہوریت کے پہلے صدر ڈاکٹر کوامی انکرومہ (Dr. Kwame Nkrumah) ایک بار ہمارے احمدیہ سیکنڈری سکول کماسی میں تشریف لائے تو اپنی تقریر میں انھوں نے اس کتاب کا ذکر کیا اور کہا کہ :-

"چونکہ یہ ایک اسلامی ادارہ ہے اس لئے میں اس سکول کے مسلمان اور عیسائی اساتذہ اور طلبہ کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں کیونکہ اس میں ڈاکٹر بلائیڈن نے افریقی ماحول میں روحانی اقدار کو برقرار رکھنے اور اخلاقی تربیت کے لئے جو اصول وضع کئے ہیں اس میں اسلام کو بہت اہمیت دی ہے۔"

اگرچہ اس وقت یہ کتاب نایاب تھی لیکن جب میں نے گھانا یونیورسٹی لائبریری میں جا کر اس کو پڑھا تو اس کو ایسا ہی پایا اور چنانچہ اسی وجہ سے کہ ڈاکٹر بلائیڈن عیسائی یورپین نظامِ تعلیم کے مقابلہ میں اسلامی نظامِ تعلیم کو افریقہ کے لئے زیادہ مناسب سمجھتا تھا۔ اس کو انگریزی حکومت نے ۱۸۷۴ء میں سیرالیون بلایا اور بطور تجربہ ان کو یہ موقع فراہم کیا ان کو اسلامی تعلیم کے لئے حکومت کا مشیر مقرر کر دیا۔ اگرچہ اس میں چنداں کامیابی نہ ہوئی کیونکہ نہ تو نیا ماحول اس کے لئے سازگار تھا اور نہ اس کو پادریوں کا تعاون حاصل تھا جو اس وقت تعلیم پر چھائے ہوئے تھے اور اصل وجہ یہ ہے کہ افریقہ میں اسلامی تعلیم کا فروغ اور ہی ہاتھوں مقدر ہو چکا تھا یعنی احمدیہ مشنوں کے ذریعہ۔ بہرحال ڈاکٹر بلائیڈن نے اپنے نظریات سے افریقی دانشوروں میں ایک بیداری پیدا کر دی تھی۔

۱۹۰۰ء میں ٹرینیڈاڈ کے ایک بیرسٹر مسٹر سلوسٹر ولیمز (Sylvester Williams) نے لندن میں ایک کانفرنس منعقد کی اور چونکہ اس میں مختلف ملکوں کے سیاہ فام باشندے شریک ہوئے اس لئے اس کو "پان افریقن کانفرنس" کا نام دیا گیا۔ لیکن یہ نمائندے زیادہ تر ویسٹ انڈیز کے رہنے والے تھے اور ان میں سے بھی اکثر وہی تھے جو برٹش یونیورسٹیوں میں تعلیم پا رہے تھے۔ براعظم افریقہ سے بہت تھوڑے سے لوگ اس کانفرنس میں شریک ہوئے تھے اس کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ایک ایسا شخص بھی شریک ہوا جو امریکہ کا ایک بہت بڑا فاضل نیگرو بننے والا تھا۔

اس نے اس کانفرنس میں گویا یوں کہنا چاہیئے کہ انیسویں (۱۹) صدی کے اختتام پر یہ اعلان کیا:-

"Problem of 20th century is the problem of coloured line: the relation of the darker to the lighter races of man in Asia and Africa in Europe & America and the islands of the sea."

یعنی بیسویں صدی اب رنگدار اقوام کے اُٹھنے کا دور ہوگی۔ اب رنگدار در صاف رنگ کی قومیں ایشیا، افریقہ اور یورپ اور امریکہ اور جزائر میں مل جل کر ہی رہ سکتی ہیں۔

گویا اب اگر برابری کا تعلق قائم ہو جائے تو بہتر ورنہ اب رنگدار اقوام تو اٹھ کر ہی رہیں گی۔ اس اعلان کرنے والے کا نام ڈاکٹر ڈو بوئیس (Dr. Dubois) تھا۔

امریکہ میں اس وقت نیگرو باشندوں کی خوشحالی کے لئے تین نظریئے موجود تھے۔ ایک تو یہ ہے کہ ہم کو اپنے سے غرض ہے یعنی نیگرو اپنے ہی وسائل کو بروئے کار لا کر اپنے آپ اپنی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ نہ حکومت سے کچھ مانگیں اور نہ گوروں سے کچھ توقع رکھیں اور نہ ان سے شکایت کریں۔ یہ بکر و ٹشنگٹن (Booker Washington) کا نظریہ تھا جو خود غلامی سے ترقی کر کے اپنی ہی کوششوں سے ایک عظیم دانشور بنا اور ٹسکے گی کالج کی بنیاد رکھی۔ اس نے اپنی زندگی کے حالات "Up from the slavery." کے نام سے شائع کئے۔

دوسرا نظریہ ڈاکٹر ڈو بوئیس کا تھا جس کا انیسویں صدی کے آخر میں اعلان سطور بالا میں پیش کیا گیا ہے اس کا کہنا تھا کہ جب امریکہ کا آئین خود کالے اور گوروں کے حقوق متعین کرتا ہے تو ہم کو اپنی جدوجہد آئینی طور پر ضرور کرنی چاہیئے۔ اس نظریئے کو گورے امریکی پسند نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ اس کی بنیاد بہر حال برابری کے درجہ پر تھی۔

تیسرا نظریہ تشدد کا نظریہ تھا کہ لڑ کر مار دھاڑ سے نیگرو لوگ اپنے حقوق حاصل کریں۔ امریکن گورے اس پر خوش تو نہ تھے لیکن تصادم کی صورت میں وہ اپنے کو کالوں سے کہیں زیادہ طاقتور خیال کرتے تھے۔ اس لئے پُر امید تھے کہ اس طرح ان کو آخر کار کچلا جا سکتا ہے اس لئے انہوں نے Kuklux Klan (کوکلکس کلان) بنائی۔ ان کا مطالبہ تھا کہ امریکہ نیگرو لوگوں کا ملک نہیں۔ ان کے آباؤ اجداد بطور غلام یہاں آئے تھے اب ان کی ضرورت نہیں اس لئے آزاد کر دیئے گئے ہیں۔ پس ان کو واپس اپنی آبائی زمین یعنی افریقہ میں چلا جانا چاہیئے۔ کوکلس کلان والے چاہتے تھے کہ کالوں پر امریکہ میں زندگی اس قدر تنگ کر دی جائے کہ وہ خود واپس جانے پر مجبور ہو جائیں۔ جب کالوں نے اپنے آپ کو واقعی لاچار دیکھا کہ وہ گوروں کا مار دھاڑ میں مقابلہ نہیں کر سکتے تو ان میں سے ایک طبقہ Back to Africa یعنی واپس افریقہ جانے کا قائل ہو گیا۔ اس تحریک کا لیڈر جیکا کا رہنے والا Marcus

میں دیئے جائیں اور وہ بطور ٹرسٹ ان فاتح اقوام کے سپرد کرے۔ اس ذمہ داری کے ساتھ کہ وہ جلد از جلد ترقی دے کر آزاد خود مختار ملک بننے کے قابل ہو جائیں۔ سال بسال لیگ آف نیشنز ان کی ترقی کی رفتار کا جائزہ لے اور جب وہ ان کو خود مختاری کے قابل پائے۔ ان کو آزاد کر دے۔ فاتح اقوام نے اس قرارداد کو قبول کر لیا اور اس طرح جرمن مقبوضات کو لیگ آف نیشنز کا ٹرسٹ بنا دیا گیا۔

اگرچہ اس کانگریس میں صرف ۵۷ مندوبین شریک ہوئے لیکن ان کی کامیابی بہت دور رس ثابت ہوئی۔ کیونکہ اگر دنیا کی اقوام دس لاکھ مربع میل کی آزادی کی نگرانی کریں تو باقی افریقہ نے کیا قصور کیا تھا کہ ان کو آزاد نہ کیا جائے۔

ڈو بوئیس نے اس مقصد کے لئے پے در پے پان افریقن کانگریسوں کا انعقاد کیا۔ ۱۹۲۱ء میں دوسری کانگریس لندن میں منعقد ہوئی جس میں ۱۰۷ مندوبین افریقہ، یورپ اور امریکہ سے آئے۔ ۱۹۲۳ء میں تیسری کانگریس بھی لندن میں ہوئی۔ اگرچہ اس میں حاضری دوسری کانگریس سے کوئی زیادہ نہ تھی لیکن اس کو برٹش لیبر پارٹی کے لیڈر ریمزے میکڈانلڈ اور بعض مشہور مصنفین مثلاً ایچ جی ویلز پروفیسر لاسکی وغیرہ کی حمایت حاصل تھی اس کا دوسرا اجلاس پرتگال کے دارالحکومت لسبن میں منعقد ہوا۔ چوتھی کانگریس ۱۹۲۷ء میں نیویارک میں بلائی گئی جہاں ۲۰۸ مندوبین نے شرکت کی۔ جہاں ایک طرف افریقہ کی آزادی کی آواز میں جان پیدا ہو رہی

تھی اور یورپین استعماری قوتیں اپنی اس ذمہ داری کو کہ وہ جلد از جلد افریقہ کو آزادی کے قابل بنانے کے لئے اتنی نہ دی۔ معاشرتی اور سیاسی ترقی دیں خود افریقی باشندوں میں زندگی کی لہر پیدا ہو رہی تھی۔ اگرچہ باقاعدہ قومی تنظیمیں تو اس وقت نہ بنائی تھیں لیکن نوجوان تعلیم یافتہ ضرور آزادی کے ولولہ سے سرشار ہو گئے۔ چنانچہ برٹش ویسٹ افریقہ میں ڈاکٹر ڈنکوا۔ (Dr Danqua) نے گولڈ کوسٹ میں، میکالے (Macaulay) نے نائیجیریا میں اور جانسن (Johnson) نے سیرالیون میں یوتھ آرگنائزیشن (Youth Organization) کے نام سے نوجوانوں کو بیدار کرنا شروع کیا۔

(باقی آئندہ)

جنابِ شاہد تسنیم احمد باجوہ، دار الیمن غربی ربوہ

ہمارا معاشرہ آج جن اخلاقی بے اعتدالیوں کا شکار ہے۔ان سے نجات پانے کے لئے ہمیں ایک جدید نظامِ تعلیم کی ضرورت ہے جہاں تک حقائق کا تعلق ہے۔یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے ملک کے اربابِ علم و دانش کے خیالات کے مطابق ہمیں ایک ایسے نظامِ تعلیم کی ضرورت ہے جس کی تشکیل نہ تو انگریز کی مصلحت کوشیوں کی شرمندۂ احسان ہو اور نہ ہی اس کی تخلیق ان قدامت پسند علماء کی ذہنی کاوشوں کی اختراع ہو جو کسی صورت میں بھی علومِ جدیدہ کی تحصیل کے حامی نہیں۔بلکہ ہمیں اس نظامِ تعلیم کی ضرورت ہے جو عصرِ حاضر کے جدید تقاضوں کو پورا کرنے کے علاوہ دینی اقدار کا بھی محافظ ہو اور ظاہر ہے کہ یہ دینی نظامِ تعلیم ہو سکتا ہے جو دینی علوم اور مغربی نظامِ تعلیم کے بین بین ترتیب دیا گیا ہو اور دونوں کی خوبیوں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہو۔اس میں اگر قدیم علوم ہیں عظمتِ ماضی کے افسانے سناتے ہوں تو حال کے علومِ جدیدہ ہیں ماہ و پروین پر کمندیں ڈالنے کے ڈھب سکھاتے ہوں۔

سو یہی نظامِ تعلیم ہے جو آج سے ایک صدی پیشتر حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کے سامنے رکھا تھا۔جب مسلمانوں کا وہ طبقہ جو مذہبی اجارہ داری کا علمبردار تھا فکرِ اجتہاد کے تمام دروازے بند کئے۔صرف و نحو کی پیچیدہ گتھیاں سلجھانے میں مصروف تھا اور وہ طبقہ جو خود کو علومِ جدیدہ کی چکا چوند سے مطلعِ انوار بنانے میں مشغول تھا۔اس کی ساری کائناتِ علم یہ تھی کہ وہ اسلامی اقدار کی تمام متاع کو اپنی کشتیٔ فکر میں رکھ کر مغربی طوفانِ ضلالت کے تھپیڑوں کی نذر کر چکا تھا

حضور فرماتے ہیں:۔

"حال کے علومِ جدیدہ کیسے ہی زور آور حملے کریں۔کیسے ہی نئے نئے ہتھیاروں کے ساتھ چڑھ چڑھ کر آویں۔مگر انجام کار ان کے لئے شکست ہے۔میں شکرِ نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ اسلام نہ صرف فلسفۂ جدیدہ کے حملہ سے اپنے تئیں بچائے گا۔بلکہ حال کے علومِ جدیدہ کی جہالتیں ثابت کر دے گا"

(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۲۵۵ تا ۲۵۶)

نیز فرماتے ہیں:۔

"اے بندگانِ خدا! یقیناً یاد رکھو کہ قرآن شریف

میں غیر محدود معارف و حقائق کا ایسا کامل
اتھا ہے جس نے ہر زمانہ میں تلوار سے زیادہ
کام کیا ہے اور ہر اک زمانہ میں اپنی نئی حالت
کے ساتھ جو کچھ شبہات پیش کرتا رہا ہے
یا جس قسم کے معارف کا کوئی دعویٰ کرتا ہے
اس کی پوری مدافعت اور پورا الزام اور
پورا پورا مقابلہ قرآن شریف میں موجود ہے"۔
(ازالہ اوہام ۔ صفحہ ۳۱۰-۳۰۵)

یہ وہ مرکزی نقطۂ خیال ہے جس کو مدنظر رکھتے
ہوئے آپ نے قادیان میں ایک مثالی دارالعلوم قائم فرمایا
اور اس کے نظام تعلیم کے لئے آپ نے قدیم و جدید علوم کے
سرچشموں سے استفادہ کو لازمی قرار دیا تھا۔ حضور اسی
نظام تعلیم کی تشکیل پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔
"میں ان مولویوں کو سخت غلطی پر جانتا
ہوں جو علوم جدیدہ کی تعلیم کے مخالف ہیں
وہ دراصل اپنی غلطی اور کمزوری کو چھپانے
کے لئے ایسا کرتے ہیں .... چونکہ
خود فلسفہ کی کمزوریوں کو نہیں پرکھنے کی طاقت
نہیں رکھتے اس لئے اپنی کمزوری چھپانے
کے لئے یہ بات تراشتے ہیں کہ علوم جدیدہ
کا پڑھنا ہی جائز نہیں ...... لیکن ضرورت ہے
کہ آج کل دین کی خدمت اور اعلائے کلمۃ
اللہ کی غرض سے علوم جدیدہ حاصل کرو۔
اور بڑی جد و جہد سے حاصل کرو"
(ملفوظات جلد اول صفحہ ۶۶)

حضور جدید علوم کے حامیوں سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:۔
"مجھے یہ بھی تجربہ ہے .... کہ جو لوگ
ان علوم میں ہی یکطرفہ پڑ گئے اور ایسے محو اور
منہمک ہوئے کہ کسی اہل دل اور اہل ذکر
کے پاس بیٹھنے کا ان کو موقع نہ ملا ......
وہ عموماً ٹھوکر کھا گئے .... علوم جدیدہ
کی تحصیل جب ہی مفید ہو سکتی ہے جب محض
دینی خدمت کی نیت سے ہو اور کسی اہل
دل آسمانی عقل اپنے اندر رکھنے والے مرد خدا
کی صحبت سے فائدہ اٹھایا جائے ......
آج کل کے تعلیم یافتہ لوگوں پر ایک اور بڑی
آفت جو آ کر پڑتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کو
دینی علوم سے بالکل مس نہیں ہوتا"
(ملفوظات جلد اول صفحہ ۶۶)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر دو مکاتب فکر کی
بے راہ روی پر بصیرت افروز تبصرہ کرتے ہوئے ارشاد
فرماتے ہیں:۔
"اس وقت دنیا کی توجہ ارضی علوم کی طرف
بہت جھکی ہوئی ہے اور مغربی روشنی نے
تمام عالم کو اپنی نئی نئی ایجادوں اور صنعتوں
سے حیران کر رکھا ہے مسلمانوں نے بھی اگر
اپنی فلاح اور بہبودی کی کوئی راہ سوچی تو
بدقسمتی سے یہ سوچی کہ مغرب والوں کو اپنا
امام بنا لیں اور یورپ کی تقلید پر فخر کریں
یہ تو نئی روشنی والوں کا حال ہے جو لوگ

پرانے فیشن کے مسلمان کہلاتے ہیں اور اپنے
آپ کو حامیٔ دینِ متین سمجھتے ہیں۔ ان کی ساری
عمر کی تحصیل کا خلاصہ اور لبِ لباب یہ ہے
کہ صرف، نحو کے جھگڑوں میں پھنسے ہوئے ہیں"
(الملفوظات جلد اول ۔ صـ۱۰۸)

حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ان
بصیرت افروز ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ایک
ایسے نظامِ تعلیم کے حامی تھے۔ جو علومِ جدیدہ کی بدظنیوں اور
گمراہیوں سے بچائے اور خدمتِ دین اور اعلائے کلمۃ الحق
کی غرض سے اس کو حاصل کیا جائے۔

حضورؑ فرماتے ہیں :۔
" تعلیمی طریق میں اس امر کا لحاظ رکھنا چاہیئے
کہ دینی تعلیم ابتداء سے ہی ہو اور میری
ابتداء سے ہی یہ خواہش رہی ہے اور اب
بھی ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرے۔"
(ملفوظات جلد اول صـ۶۸)

پھر فرماتے ہیں :۔
"ہماری غرض مدرسہ کے اجراء سے صرف
یہ ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کیا جائے۔
مروجہ تعلیم کو اس واسطے ساتھ رکھا گیا
ہے کہ یہ علم خادمِ دین ہوں۔ ہماری غرض
یہ نہیں کہ ایف اے اور بی اے کر کے دنیا
کی تلاش میں مارے مارے پھریں۔ ہمارے
پیشِ نظر تو یہ امر ہے کہ ایسے لوگ دین کے
لئے زندگی بسر کریں۔" (الحکم ۔ ۳۰ ر نومبر ۱۹۰۵ء)

پھر فرماتے ہیں :۔
" اس سلسلہ کے جوانمرد لوگ جن سے میں ہر
طرح امید رکھتا ہوں کہ وہ میری اصل اغراض
کو ردّی کی ٹوکری کی طرح نہ پھینک دیں اور
پوری توجہ سے اس پر کاربند ہوں۔ میں اپنے
نفس سے نہیں کہتا بلکہ وہ ہی کہتا ہوں
جو خدا تعالیٰ میرے دل میں ڈالتا ہے۔ میں
نے خوب سوچا اور بار بار سوچا ہے.....
اگر یہ مدرسہ قادیان کا قائم رہ جائے تو بڑی
برکات کا موجب ہوگا اور اس کے ذریعہ
سے ایک فوج نئے تعلیم یافتہ لوگوں کی
ہماری طرف آسکتی ہے .... اگر میں
طالب علموں میں ایک بھی ایسا نکلے جس کی
طبیعت دینی امور کی طرف راغب ہو جائے
.... تب بھی میں یہ خیال کروں گا کہ ہم
نے اس مدرسہ کی بنیاد سے اپنے مقصد کو
پالیا" (تذکرۃ الشہادتین ۔ صـ۶۵)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :۔
" عموماً سب پڑھنے والے دنیا کے لئے
مرتے ہیں اور اس کتے کی مانند ہیں۔ جو
ایک دفن کئے ہوئے مُردار کی مٹی اپنے پیروں
سے کھودتا ہے اور جب وہ مردار مل
جاتا ہے تو اسے کھا جاتا ہے۔ اسی طرح ان
پڑھنے والوں میں سے بڑا گروہ تو ایسا ہی
ہے کہ اس مردار کی تلاش میں ہیں اور جب

وہ مرد ان کو مل گیا تو پھر ہم کہاں اور وہ

کہاں؟ ...... لیکن میری امیدیں ان لوگوں

پر بہت ہیں جو نبی اے بننا چاہتے ہیں اور

نہ ایم اے بلکہ بقدر کفایت معاش دنیا اختیار

کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں ہر دم یہ قلق

ہوتی ہے کہ کسی طرح نیک انسان بن جائیں"

(اشتہار - لنگر خانہ کے انتظام کے لئے ۵ مارچ ۱۹۰۲ء)

ایک اور جگہ حضور پھر فرماتے ہیں :-

"میں اسے سمجھتا ہوں کہ بچوں کی تعلیم کے

ذریعہ سے اسلامی روشنی کو ملک میں پھیلاؤں

...... اور ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اس

طوفان ضلالت میں اسلامی ذریت کو

غیر مذاہب کے وساوس سے بچانے کیلئے

اس ارادہ میں میری مدد کریں"

(الحکم ۸ اکتوبر ۱۸۹۷ء)

حضرت میرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ آپؑ نے غلبۂ اسلام اور

اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اس نظام تعلیم کو مسلمانوں کے لئے

ضروری قرار دیا تھا۔ جو مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی فلاح و

بہبود کا ضامن ہو۔

آپؑ اس امر کے خواہشمند تھے کہ اس کو ابتدائی جماعتوں

سے جاری کیا جائے اور نصاب تعلیم میں ان کتب کو بھی شامل

کیا جائے جو آپؑ نے مدافعت اسلام کے سلسلہ میں لکھی ہیں

پس یہی وہ بنیادی خطوط تھے جن پر آپؑ نے جدید

نظام تعلیم کی عمارت کو بلند کرنا چاہا اور یہ لازم قرار دیا کہ

تعلیم و تربیت کے فرائض وہی لوگ سرانجام دیں جو کسی اہل دل

اہل ذکر اور آسمانی عقل رکھنے والے مرد خدا کی صحبت سے استفادہ

کر چکے ہوں۔ نیز آپؑ نے تعلیم حاصل کرنے والوں کا یہ بھی فرض

قرار دیا۔ کہ خدمت دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کی غرض سے تعلیم

حاصل کریں اور بقدر وسعت و ہمت اپنے ماحول میں علم و عمل

سے اس مبارک فرض کو سرانجام دیں جس کی بجا آوری میں ملکی و

قومی ترقی کا راز مضمر ہے اور ایسے دینی مدرسوں کے قیام کے

لئے آپؑ نے حکومت کی بجائے صرف رضاکارانہ قربانی کو لازمی قرار

نہیں دیا بلکہ قوم کو مالی قربانیوں پر آمادہ کیا۔

پس یہ وہ صحیح نظام تعلیم ہے جس کو آج سے ایک

صدی پیشتر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسلمانوں کے سامنے

پیش کیا تھا اور علی الاعلان فرمایا تھا :-

"اگر مسلمان پورے طور پر اپنے بچوں کی تعلیم

کی طرف توجہ نہ کریں گے تو میری بات سن

رکھیں کہ ایک وقت ان کے ہاتھ سے بچے

بھی جاتے رہیں گے"

(ملفوظات جلد اوّل ص۲۶)

○

سالانہ تربیتی کلاس

امسال مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے زیر اہتمام سالانہ تربیتی کلاس

۱۳ رمئی تا ۲۶ رمئی ۱۹۷۷ء منعقد ہو رہی ہے نوجوانوں کیلئے

علم دین کا سنہری موقع ہے۔ خدام سے درخواست ہے کہ زیادہ

سے زیادہ اس کلاس میں شامل ہو کر مستفیض ہوں۔

(ادارہ)

جناب عبدالرحمان کلیمنتے جلسہ سالانہ ۸۶ء کے موقع پر بطور نمائندہ جماعت احمدیہ سپین ربوہ تشریف لائے تھے آپ کا انٹرویو خالد "فروری ۸۷ء" میں شائع ہو چکا ہے۔ حال ہی میں آپ محترم نے میڈرڈ (سپین) سے ایک خط مکرم محترم صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کے نام بھجوایا ہے جس کا ترجمہ ہدیہ قارئین ہے۔ (ادارہ)

"مکرم و محترم برادرم میاں طاہر احمد صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

قیام ربوہ کے بارہ میں اپنے جذباتِ تشکر تاخیر سے تحریر کرنے پر معذرت خواہ ہوں۔ امید ہے آپ معذرت قبول فرمائیں گے۔ بہرحال بغرض اطلاع عرض کرتا ہوں کہ میرا سفر سپین میں آکر ختم ہو گیا ہے۔ گو مجھے انگریزی زبان سے ناواقفیت کی بناء پر معمولی مشکلات پیش آئیں لیکن میں نے ربوہ اسی طرح لاہور اور لندن میں جماعت کے ہر فرد سے بہت ہی زیادہ محبت کے جذبات محسوس کئے۔ ان تمام احمدی بھائیوں کے لئے جن سے میں غیر مانوس اور اجنبی ممالک میں ملا سخت جدائی محسوس کرتا ہوں۔ دینی اخوت کے جو مشاہدات میں نے کئے وہ میرے لئے زندگی کا ایک عظیم تجربہ ہیں اور مجھے ایک خواب کی طرح محسوس ہوتے ہیں۔

میں صمیم قلب سے ان تمام بھائیوں کو جن سے میرا تعلق و رابطہ رہا اور جن سب کے اسماء میں نہیں جانتا ہوں۔ محبت بھرا سلام عرض کرتا ہوں۔ میری بدقسمتی ہے کہ میں نے اتنی انگریزی قبل ازوقت نہیں سیکھی تھی کہ اپنے قیام کے دوران محبت بھرے گرم جوشی کے جذبات کا صحیح طور پر اندازہ کر سکتا۔ والسلام

عبدالرحمان کلیمنتے

میڈرڈ (سپین)"

۱۰؍فروری ۱۹۸۷ء

بقیہ اداریہ "کلام الامام" صفحہ ۲

بنی نوع انسان اس دنیا میں بھی اور مرنے کے بعد بھی خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو اچھی طرح پہچان لیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل کرنے کی انھیں توفیق ملے۔

(۲) اللہ تعالیٰ ہمارے ملک اور ہمارے وطن عزیز کو ہر قسم کے شر اور فساد سے محفوظ رکھے اور اس کے استحکام اور ترقی کے سامان پیدا فرمائے۔

(۳) اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو بھی ہر شر سے محفوظ رکھے!"

اللہ تعالیٰ ہمیں بالتزام یہ دعائیں کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

سفرنامہ

کینیڈا کی سیر

جناب حسن محمد خان عارف ربوہ

لیجئے! یہ امریکہ ہے۔ اب ہم اس عظیم ملک کے فضائی مستقر نیویارک پر اتر رہے ہیں۔ جہاز کے اترتے وقت سورج غروب ہو چکا تھا۔ روشنیاں جل رہی تھیں اور نیویارک ان لاکھوں قمقموں میں پرستان معلوم ہو رہا تھا۔ جہاز کے دروازے کے ساتھ ہی ایک پل لگا دیا گیا جس کے ذریعہ ہم ائیرپورٹ کے اندر آگئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جہاز سے نکلتے ہی ائیرپورٹ کی عمارات شروع ہیں۔ امیگریشن کے دفاتر اوپر کی منزل پر تھے اس لئے کچھ سیڑھیاں چڑھنی پڑیں۔ ایک پاکستانی خاتون بھی گود میں بچہ لئے اور ایک بھاری بیگ اٹھائے ہانپتی کانپتی سیڑھیاں چڑھ رہی تھیں۔ بچہ اور بیگ دونوں کا سنبھالنا تقریباً ناممکن سا معلوم ہو رہا تھا۔ پسینہ پسینہ ہو رہی تھیں۔ اور لوگ تھے کہ ان کے پیچھے پیچھے ترتیب سے گزرتے چلے جا رہے تھے۔ میں بھی ایک بار تو پہلے تو دیکھ کر گزر گیا۔ لیکن آگے جا کر رہا نہ گیا اور اس خاتون سے عرض کی کہ بیگ مجھے دے دیجئے اور بچہ کو سنبھالئے۔ محترمہ کی جان میں جان آئی اور خوشی خوشی بیگ مجھے دے دیا اور شکریہ بھی ادا کیا۔ ہم

نے جو خدمتِ خلق کے جذبہ سے مغلوب ہو کر وہ بیگ اٹھایا تو ایسا معلوم ہوا کہ بیگ میں سکہ بھرا ہوا ہے۔ بہت بھاری بیگ تھا۔ اب ہمیں اپنے بیگ کے ساتھ محترمہ کا بیگ بھی اٹھانا پڑ رہا تھا۔

خیر! جلدی امیگریشن کا دفتر آ گیا اور ہم قطار میں لگ گئے۔ قطار کی لمبائی سے اندازہ ہوتا تھا کہ شاید گھنٹہ بھر لگ جائے گا لیکن افسرانِ مجاز نے دس پندرہ منٹ میں ہی فارغ کر دیا۔

ہمیں نہ منزل کا پتہ تھا نہ راستے کا علم۔ جدھر لوگ جا رہے تھے ہم بھی ان کے پیچھے چل پڑے۔ سیڑھیاں اترے تو دیکھا کہ Conveyor Belt پر لوگوں کا سامان چلا آ رہا ہے۔ ہمارا اور محترمہ کا سامان بھی تھوڑی دیر کے بعد آ گیا۔ کسٹم آفیسرز کے سامنے مسافروں کی قطار لگی ہوئی تھی اور کسٹم چیک ہو رہا تھا۔ ہم نے اپنا اور محترمہ کا سامان قطار کے قریب لا رکھا۔

میری باری پر ایک خاتون کسٹم آفیسر نے میرا سوٹ کیس کھلوایا اور پوچھنے لگیں کہ "آپ کے پاس کوئی قابلِ اعتراض چیز تو نہیں ہے؟" میں نے عرض کی کہ "مجھے قابلِ اعتراض چیزوں کی فہرست کا علم نہیں۔ سوٹ کیس حاضر ہے۔ ملاحظہ فرما لیں یا ان قابلِ اعتراض اشیاء کی نشاندہی فرما دیں۔ تو بتا سکوں گا۔" کہنے لگیں کہ "کوئی منشیات؟" میں نے کہا "سگریٹ تک تو پیتا نہیں۔ باقی سلفا۔ چرس یا افیم کیا پیوں گا اور کوکین کیا کھاؤں گا۔ شراب ویسے ہی میرے مذہب میں ہی حرام ہے البتہ کافی یا چائے ضرور پیتا ہوں اور یہ سمجھ کر پیتا ہوں کہ یہ منشیات کے زمرہ میں نہیں آتیں۔" وہ میرے

اس جواب سے بہت محظوظ ہوئیں۔ پھر میرے قریب ہو کر آہستہ سے کہنے لگیں۔ "کوئی آم؟" میں تو یہ لفظ سن کر بوکھلا گیا اور عرض کیا۔ "محترمہ اس سے بھی نشہ کیا جاتا ہے؟" اس پر تو محترمہ زعفران ہو گئیں اور بہت ہنسیں۔ میں نے دوبارہ پوچھا۔ "میڈم آم؟ کیسا آم؟" تو جواب میں فرمانے لگیں۔ "ویسا آم" اور مجھے اشارہ کر کے الماری کے پیچھے ایک شیلف پر آم دیکھنے کا ارشاد فرمایا۔ دیکھا تو اللہ جھوٹ نہ بلوائے۔ سیر سوا سیر کا ایک بھاری بھرکم پہلوان قسم کا آم رکھا تھا۔ میں نے ان سے عرض کیا۔ "جناب پاکستان سے چلتے ہوئے خیال نہیں آیا ورنہ شاید ایک آدھ لے ہی آتے۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ آپ تلاشی لے لیں شک شبہ آپ کا دور ہو جائے گا اور ہمیں چھٹی مل جائے گی" فرمانے لگیں۔ "ہمارے ملک میں من جملہ دیگر ممنوعہ اشیاء کے پھل پھول یا سبزی لانی بھی منع ہے اور بعض اوقات اس سے نباتاتی بیماریاں ملک میں آ جاتی ہیں اور ہم پھر مصیبت میں پڑ جاتے ہیں۔ ایسی اشیاء لانے کے لئے خاص احتیاطی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔ پھر یہ ہمارے ملک میں لائی جا سکتی ہیں" یہ کہتے کہتے میرا سوٹ کیس بغیر تلاشی لئے بند کر دیا اور مجھ سے چابی مانگی اور خود ہی تالا بھی لگا دیا۔ مجھے حیرانی سی ہوئی کہ یہ کیسے اچھے لوگ ہیں کہ کسٹم پر بھی تلاشی نہیں لی۔ اور میری زبان پر ہی اعتبار کر لیا۔

فارغ ہو کر پہلے اس خاتون کا سامان باہر پہنچایا پھر اپنا سامان لے کر باہر آ گئے۔ راستہ میں یہی سوچتے رہے تھے کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔ یہاں سے لینے کے لئے گاڑی کہاں سے پکڑتی ہے۔ ٹکٹ کیسے لینا ہے؟ کیسی

وقت گاڑی آتی ہے۔ بس کا اڈہ کہاں ہے۔ غرض پریشانی کا عالم تھا۔ اسی ادھیڑ بن میں باہر آئے تو دیکھا جاوید اور فرید دونوں باہر کھڑے ہیں۔ یہ دونوں ہمارے "صاحبزادگان" ہیں جنہوں نے ہمیں کینیڈا آنے کی زحمت دی۔ یا اعزاز بخشا۔

خیر! ان سے ملے اور البتہ خوش ہوئے۔ ہاں! کچھ روئے بھی تھے۔ سنا ہے کہ کچھ آنسو خوشی کے بھی ہوتے ہیں۔ اب اللہ جانے کہ یہ کیسے آنسو تھے بس اتنا پتہ ہے کہ نکلے ضرور تھے اور بعض دوستوں سے جب اس کا ذکر ہوا تو انہوں نے بڑے وثوق سے تسلی دلائی کہ یہ خوشی کے ہی آنسو تھے۔ اس لئے ہم مطمئن ہو گئے۔

ان دونوں بچوں نے ہمارا سامان اٹھایا (اور ہم کاہے کو اب اسے اٹھاتے؟) اور چل دیئے۔ برآمدے میں کئی جگہ ٹیلی فون لگے دیکھے تو ہمیں ٹیلی فون کرنے کا شوق چرایا۔ میں نے جاوید سے کہا کہ میں اپنے دوست جمعوی جہلمی صاحب کو جو نیاگرا میں مبلغ ہیں۔ ٹیلیفون کرنا چاہتا ہوں۔"

ادھر ۲۰ سنٹ ڈال کر نمبر گھمایا تو آگے سے جہلمی صاحب انگریزی بولنے لگ پڑے۔ ہم نے کہا بھئی! اردو میں بات کرو اور ذرا پوچھو تو کس سے بات کر رہے ہو؟"

اب وہ کچھ گھبرائے اور دو تین غلط سلط نام لے دیئے۔ ہم نے کہا "بالکل غلط ——— ! میں ربوہ میں تمہارا ہمسایہ ہوں جس کے تم پر بے شمار حقوق ہیں۔"

اس پر وہ اور بھی سٹپٹائے۔ آخر جب ہمیں نے بتایا تو بہت خوش ہوئے کہنے لگے۔ "الٰہی آجائیے!" میں نے شکریہ ادا کیا کہ "بچے ساتھ ہیں اس لئے پھر ملاقات ہوگی"

امریکہ سے گزرتے ہوئے اگر اس کی تاریخ سے صرفِ نظر کر جائیں تو مضمون ادھورا رہے گا۔ تو لیجئے امریکہ کا مختصر تاریخی جائزہ!

۱۴۹۲ء میں ایک شخص کرسٹوفر کولمبس اٹلی کا باشندہ تھا۔ اسے یہ دھن سمائی کہ مشرق کی بجائے مغرب کے راستے ہندوستان پہنچا جائے یہ وہ زمانہ تھا کہ جب زمین گول ہونے کا چرچا ہو رہا تھا اور یہ شخص کہتا تھا کہ اگر یہ سچ ہے تو جیسے ہم یورپ سے مشرق کی طرف چل کر ہندوستان پہنچ سکتے ہیں تو مغرب کی طرف سفر کر کے بھی پہنچ سکتے ہیں۔ کئی بادشاہوں کے پاس وہ اپنا یہ ارادہ لے کر گیا۔ سب نے کہا۔ "سڑی ہے سڑی۔ احمق کہیں کا۔ ناممکن بات کے لئے مدد مانگتا ہے۔" لیکن شاہِ سپین نے اسے تین جہاز اور کچھ سرمایہ دیا کہ "لے بھئی تو اپنی ہڑک پوری کر لے!"

تین ماہ کی طویل مسافت کے بعد یہ "سڑی" امریکہ پہنچ گیا۔ (راستہ میں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ملاحوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ یہ عزم و ہمت اور شجاعت اور دلیری کی ایک طویل داستان ہے پھر کبھی سہی) اور بزعم خود اس نے مغرب کے راستے ہندوستان دریافت کر لیا۔ اور مرتے دم تک وہ یہی سمجھا رہا کہ جو ملک اس نے دریافت کیا وہ ہندوستان ہی ہے اور اسی وجہ سے یہاں کے باشندوں کو انڈین کہتے ہیں۔

جب یہ خبر یورپ میں پہنچی تو ہنری ہفتم شاہ انگلستان نے کئی مہمات بھجوائیں اور امریکہ کے ایک وسیع علاقے پر قبضہ کر لیا۔ ہسپانیوں اور پرتگیزوں نے تو اپنی مہمات پہلے ہی شروع کر رکھی تھیں اور شمالی اور

جنوبی امریکہ کا سونا اور دولت سمیٹتے چلے جا رہے تھے کینیڈا میں فرانسیسی ہنٹر لوگ اور سمور کے تاجروں نے اپنے دعوے کرنے شروع کر دیئے۔ لیکن یہ لوگ ہسپانویوں کی طرح واپس نہیں چلے جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ آباد ہوتے چلے جا رہے تھے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود یہ یورپین لوگوں کو کثیر تعداد میں آباد ہونے کے لئے تیار نہ کر سکے۔ ملکہ الزبتھ اول کے زمانہ میں انگریزوں نے یہاں مضبوط قدم جمانے شروع کر دیئے اور جلد جلد آباد ہونا شروع کیا۔ ۱۶۰۷ء میں انہوں نے ریاست ورجینیا میں شاہ جیمس کے نام پر جیمس ٹاؤن آباد کیا اور اس طرح امریکہ میں مستقل کی انگریزی زبان کی بنیاد پڑ گئی۔

ہالینڈ کے ولندیزیوں نے نیو ایمسٹرڈم آباد کیا۔ یہی شہر آج کا نیو یارک ہے۔ بعض ذرائع سے یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایک سو ستر سال ۱۶۰۷ء سے لے کر ۱۷۷۵ء تک تقریباً سات لاکھ انگریزوں نے اس ملک میں ہجرت کی۔

امریکہ میں انگریزوں کی عملداری تھی۔ یہ قوم اپنے آپ کو اس ملک کا حاکم سمجھتی تھی لیکن امریکہ کے آباد کار اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ ستمبر ۱۷۷۴ء میں پہلی کانٹی نینٹل کانگرس منعقد ہوئی۔ شاہ جارج سوئم کی خدمت میں یہ اپیل کی گئی کہ ان کی آزادیاں بحال کی جائیں لیکن ان باتوں پر حکومت انگلستان نے کوئی کان نہ دھرا۔ آخر امریکیوں نے انگریزی مال کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا۔ اسی سلسلہ میں اپریل ۱۷۷۵ء میں کچھ امریکی اور انگریزی سپاہیوں کا آپس میں ٹکراؤ ہو گیا۔ شاہ جارج سوم نے امریکی لیڈروں کو باغی قرار دیا اور بغاوت فرو کرنے کا حکم دے دیا۔ اب یہ باقاعدہ جنگ کی طرح پڑ گئی اور یہ بغاوت بغاوت نہ

نہ رہی بلکہ امریکن قوم کی جنگِ آزادی بن گئی۔ آخر سات برس کی خون ریز کشمکش کے بعد برطانوی حکومت نے صلح کر لی اور ۳ ستمبر ۱۷۸۳ء کو صلح نامہ پیرس ہوا جس کی رُو سے نہ صرف ریاست ہائے امریکہ کی آزادی تسلیم کی گئی بلکہ اس کا رتبہ بھی بڑھا دیا گیا۔ ستمبر ۱۷۸۷ء میں امریکی آئین منظور ہوا اور ایک مضبوط مرکزی حکومت قائم ہو گئی۔ اور تیرہ ریاستیں اس میں شامل ہو گئیں۔ جنرل جارج واشنگٹن امریکہ کا پہلا صدر منتخب ہوا اور اسی وجہ سے امریکی لوگ اسے بابائے قوم کہتے ہیں۔ عارضی طور پر پہلا دارالخلافہ نیو یارک بنا۔ دس سال بعد فلاڈلفیا اور پھر مستقل طور پر واشنگٹن دارالسلطنت قرار پایا اور یہی شہر آج بھی امریکہ کا دارالحکومت ہے۔

تاریخ امریکہ بہت طویل ہے لیکن بعض باتیں قابلِ ذکر ہیں۔ مثلاً یہ کہ شمالی ریاستوں میں غلام رکھنے کی آزادی نہ تھی لیکن جنوب کی ریاستوں میں اس پر پابندی نہ تھی اور اجازت تھی اور انہی ریاستوں میں سے ایک ریاست سے گزشتہ سال مسٹر جمی کارٹر امریکہ کے صدر منتخب ہوئے ہیں اگرچہ غلامی کے خلاف تحریک تو بڑے لمبے عرصہ سے جاری تھی لیکن صدارتی انتخاب کے وقت ابراہام لنکن نے اس مسئلہ پر انتخاب جیتا اور اس پر جنوب کی سات ریاستیں بھڑک اٹھیں اور فوری طور پر ملک سے وفاداری کا ناطہ توڑ لیا۔ لنکن نے واپس آ جانے کی اپیل کی لیکن اس اپیل کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اور بغاوت جاری رہی اور خوفناک خانہ جنگی شروع ہو گئی اور چار برس تک ملک اس آگ میں جلتا رہا۔ بہت قتل و غارت ہوا۔ بے اندازہ مالی اور اقتصادی نقصان ہوا۔ آخرکار

شمالی ریاستوں کی فتح ہوئی اور لنکن پریذیڈنٹ بنا اور غلامی کا انسداد ہو گیا۔

انسداد غلامی کے باوجود آج بھی امریکہ جیسے متمدن اور ترقی یافتہ ملک کی بعض ریاستوں میں اس کے حبشی باشندوں کو وہ حقوق حاصل نہیں جو گورے باشندوں کو حاصل ہیں۔ ان ریاستوں میں کالے بچے گوروں کے ساتھ تعلیم نہیں حاصل کر سکتے۔ یہ سیاہ فام بچے ان بسوں میں سفر نہیں کر سکتے جن میں گورے بچے سفر کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض اور دیگر اداروں میں نہیں جا سکتے جن میں گوروں کو بآسانی داخلہ مل جاتا ہے۔ اگرچہ اب مرکزی یا ریاستی حکومتیں جلد جلد ایسے قوانین وضع کرتی چلی جا رہی ہیں جن سے یہ نسلی امتیاز ختم ہو جائے لیکن پھر بھی نسلی مناخرت کا رجحان ایک حد تک قائم ہے۔ ٹی وی پر اکثر اوقات اس قسم کے نظارے بڑے فخر سے پیش کئے جاتے ہیں کہ دیکھو کالے اور گورے بچے ایک ہی بس میں سکول جا رہے ہیں یا کلاس میں اکٹھے تعلیم پا رہے ہیں، وغیرہ وغیرہ

اس کے بعد امریکہ نے بڑی تیزی سے ترقی کی منازل طے کیں۔ سائنسی اور صنعتی میدانوں میں بھی۔ اس صدی کی گذشتہ دونوں عظیم جنگوں میں امریکہ نے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ دوسری جنگ عظیم میں ۱۹۴۵ء تک امریکہ ایک کروڑ بیس لاکھ افراد فوج میں بھرتی کر چکے تھے اور ساٹھ کروڑ انسان یا تو براہ راست فوج میں بھرتی تھے یا ایسے اداروں کے ساتھ منسلک تھے جو فوج کے لئے کام کر رہے تھے۔ امریکہ کا بحری بیڑہ دنیا کی سب قوموں سے زیادہ جہاز مہیا کر رہا تھا۔

۱۹۴۵ء میں یورپ میں جرمنی اتحادیوں کے سامنے گھٹنے ٹیک چکا تھا۔ لیکن مشرق میں جاپان ابھی جنگ پر مُصر تھا۔ اگست ۱۹۴۵ء میں ہیروشیما اور ناگاساکی جاپان کے دو شہروں پر امریکہ نے ہی دو ایٹم بم گرائے اور جاپان کے جنگی زعم کی دھجیاں بکھیر دیں اور اسے شکست قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔

امریکہ میں فٹ بال ہاتھ سے کھیلا جاتا ہے۔ یہ ان کا قومی کھیل ہے۔ دوسرا قومی کھیل ان کا بیس بال ہے۔ بیس بال اسی کھیل کی ایک قسم معلوم ہوتی ہے جو ربوہ میں "میرو ڈبہ" کہلاتا ہے۔ اب خدا جانے ربوہ سے باہر کے لوگ میرو ڈبہ جانتے بھی ہیں یا نہیں۔

بات لمبی ہوتی جا رہی ہے۔ اب کچھ نیویارک کے بارہ میں عرض کرتا ہوں۔ امریکہ کی فیڈریشن میں اس وقت پچاس ریاستیں شامل ہیں اور اس کی ایک ریاست نیویارک ہے جو امریکہ کے مشرقی کنارے پر واقع ہے۔ نیویارک اسی کا ایک شہر ہے اس شہر کے ۳۲۵ میل کے علاقہ میں ۱۹۶۸ء میں سوا کروڑ آبادی تھی اس شہر کی بعض عجیب خصوصیات ہیں۔ اس شہر کا رقبہ چار سو مربع میل سے زائد ہے۔ اس شہر نے امریکہ کو پانچ پریذیڈنٹ دیئے ہیں۔ یہ امریکہ کا اشاعتی شہر ہے۔ امریکہ میں کثرت کے ساتھ جو کتب پڑھی جاتی ہیں جن پر نیویارک کے اخبارات تبصرہ کریں اس شہر کے اخبارات کی رائے ملک میں سب سے زیادہ موقع سمجھی جاتی ہے۔ امریکہ آنے والے مہاجرین کی سب سے زیادہ تعداد اسی شہر کے ذریعہ داخل ہوتی ہے۔ امریکن برآمدات سب سے زیادہ مقدار میں اسی شہر سے باہر بھجوائی جاتی ہیں۔ مالی معاملات اور لین دین میں یہ امریکہ کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ اقوام متحدہ کا ہیڈ کوارٹر بھی یہیں ہے۔

یو این او اور سیکیورٹی کونسل کے اجلاس ہوتے ہیں مختلف قوموں کے لوگ اسی شہر میں آباد ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف اس ایک شہر میں دو سو سے زائد اخبارات ایسے شائع ہوتے ہیں جو انگریزی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں میں چھپتے ہیں۔ تقریباً دس لاکھ اٹالین پانچ لاکھ روسی یا چار لاکھ جرمن۔ تین لاکھ پولش آباد ہیں۔ جو نیویارک میں نہیں بلکہ باہر پیدا ہوئے۔ اس شہر میں تقریباً تیس لاکھ یہودی آباد ہیں اور یہودی آبادی کے لحاظ سے یہ شہر دنیا میں اول نمبر پر ہے۔ دنیا کے اکثر قوموں کے باشندوں کی آبادی کی یہی وجہ ہے کہ یہاں پر دنیا کی ہر شے دستیاب ہے مالابار کے مرچ مصالحے سے لے کر ماریشس کی ڈاک کی ٹکٹیں تک یہاں مل جاتی ہیں یہ دنیا کا سب سے بڑا صنعتی شہر ہے۔ ایک اندازے کے مطابق صرف اسی ایک شہر میں ستر اسی ارب روپے کا مال سالانہ تیار ہوتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی صنعتیں دو ہیں۔ ایک طباعت و چھپائی۔ دوسرے لباس کی صنعت۔ ملک کی مزدوروں کی دو مضبوط ترین یونینیں اسی شہر میں ہیں اور یہ لباس تیار کرنے والے مزدوروں کی ہیں۔

امریکہ سرمایہ داری کا آخری قلعہ ہے۔ وال سٹریٹ (دیوار والی گلی) اسی شہر میں ہے۔ یہ بازار تقریباً تین فرلانگ لمبا ہے اور دنیا میں لین دین کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ امریکہ کے بڑے بڑے بنکوں کے ہیڈ کوارٹر یہیں پر ہیں مثلاً نیشنل سٹی بنک، چیز، گارنٹی بنک وغیرہ۔ یہیں پر سٹاک ایکسچینج ہے جہاں روزانہ اربوں روپوں کا ہیر پھیر ہو جاتا ہے۔ ۱۹۳۶ء میں ایک شخص جیمس جیرارڈ نے جو جرمنی میں امریکہ کا سفیر تھا ۶۰ آدمیوں کی ایک فہرست شائع کی اور لکھا کہ امریکہ کے اصل حاکم یہ لوگ ہیں ان میں صرف ایک سیاست دان کا نام تھا۔ صدر کا نام بھی اس فہرست میں شامل نہ تھا۔ یہ سب ان لوگوں کے نام تھے جو کروڑپتی یا ارب پتی تھے جو امریکہ کی سیاست کے مہروں کو آگے پیچھے کرتے تھے اور ملک کی دولت کی تجوریوں کی کنجیاں انہی کے ہاتھ میں تھیں۔

اس شہر میں ہارلم ایک علاقہ ہے جہاں زیادہ تر سیاہ فام لوگ آباد ہیں۔ سارے شہر کے نصف سے زیادہ حبشی اسی علاقہ میں رہتے ہیں۔ اس علاقہ سے سیاہ فام لوگوں کے کئی اخبارات شائع ہوتے ہیں لیکن حبشیوں کا اپنا کوئی بڑا سٹور نہیں۔ اکثر دکاندار یہودی ہیں اور جائداد ساری کی ساری سفید فام لوگوں کی ہے۔ کوئی نیگرو بنک نہیں۔ یہ لوگ عام طور پر انشورنس کا کام کرتے یا پھر حجام ہیں اور دوسرے چھوٹے موٹے کام کرتے ہیں۔

اس شہر میں مکانوں سے زیادہ تعداد درختوں کی ہے یہاں ۵۰۰ سے زیادہ کھیل کے میدان ہیں۔ پانچ ہزار سے زیادہ ریستوران ہیں۔ تین ہزار سے اوپر گرجے ہیں نیویارک یونیورسٹی ایک بالکل پرائیویٹ ادارہ ہے جو پچھلے سال سخت مالی بحران میں آگیا تھا۔ یہ امریکہ میں دوسرے نمبر کی یونیورسٹی ہے

یہاں کے لوگ ڈیڑھ کروڑ گیلن سالانہ سے زائد شراب پی جاتے ہیں۔ ہر پانچ منٹ کے بعد اس شہر میں ایک بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اور ہر سات منٹ کے بعد ایک شادی ہوتی ہے ـــــ تو یہ تھا نیویارک!

(باقی آئندہ)

تعزیتی قراردیں

(۱)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ اپنے اس غیر معمولی اجلاس میں محترم مولانا احمد خان صاحب نسیم ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد کی وفات پر دلی غم کا اظہار کرتی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

اللہ تعالیٰ نے آپ کو لمبا عرصہ خدمتِ اسلام سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائی۔ چنانچہ آپ پانچ سال تک برما میں بطور مبلغِ اسلام خدمات بجا لاتے رہے۔ تقسیم ہند کے زمانہ میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔

حضرت سید چوہدری فتح محمد صاحب سیال رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مقامی تبلیغ کے فرائض اور نگرانی کا کام آپ کے سپرد کیا جسے تادمِ آخر نہایت محنت، جانفشانی اور کامیابی سے سرانجام دیا۔

آپ نظامِ خلافت سے بے حد محبت رکھتے تھے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے زمانہ طالبعلمی میں ہم جماعت تھے اور حضور سے عشق کی حد تک محبت تھی۔ دیہاتی لوگوں کے ساتھ میل ملاقات اور گفتگو کا دلنشیں ملکہ حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور آپ کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

ہم ہیں
ممبرانِ مجلس عاملہ مرکزیہ

○

(۲)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ اپنے اس غیر معمولی اجلاس میں حضرت ملک غلام فرید صاحب ایم اے رضی اللہ عنہ کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی ابن صحابی ہونے کے شرف سے نوازا سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کی تحریک پر لبیک کہتے ہوئے اوّلین واقفین زندگی میں شمولیت کی توفیق پائی جرمنی اور انگلستان میں بطور مبلغ اسلام خدمات بجا لاتے رہے۔ کئی سال تک رسالہ سن رائز اور رسالہ ریویو (انگریزی) کے

ایڈیٹر رہے۔

سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کے پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت میں کام کرنے کی سعادت پائی۔ پھر سال ہا سال تک حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ اور حضرت مولانا شیر علی صاحب رضی اللہ عنہ کے ساتھ قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ اور اس کے تفسیری نوٹ تیار کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ ان دونوں بزرگوں کی وفات کے بعد آخر وقت تک آپ یہ مقدس کام سرانجام دیتے رہے۔

آپ بہت مخلص، دینی غیرت رکھنے والے اور نظام جماعت کے نہایت اطاعت گزار تھے۔ قرآن کریم سے محبت عشق کا رنگ رکھتی تھی۔

اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور جملہ لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

ہم ہیں

ممبران مجلس عاملہ مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ

○

(۳)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ اپنے اس غیر معمولی اجلاس میں حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب فاضل ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ قادیان اور امیر جماعت ہائے احمدیہ بھارت کی وفات حسرت آیات پر دلی غم کا اظہار کرتی ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی ہونے کے شرف سے نوازا۔ آپ ابتدائی عمر سے ہی مرکز سلسلہ عالیہ احمدیہ قادیان میں رہے اور قادیان کی محبت آپ کے رگ و پے میں سموئی ہوئی تھی۔

آپ نے پچاسی برس کی عمر میں وفات پائی اور بفضلہ تعالیٰ خدمتِ اسلام سے معمور زندگی گزاری۔ مدرسہ احمدیہ میں بطور مدرس اور ہیڈ ماسٹر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ مختلف اوقات میں بطور جنرل پریذیڈنٹ لوکل انجمن احمدیہ قادیان، ناظم دارالقضاء، سیکرٹری بہشتی مقبرہ کی خدمات کی سعادت پاتے رہے۔ زمانہ درویشی میں آپ ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ قادیان اور امیر جماعت ہائے احمدیہ بھارت کی ذمہ داریاں ادا فرماتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حج بیت اللہ کی سعادت عطا فرمائی۔ آپ سب کے ساتھ محبت اور ہمدردی سے پیش آتے۔ آپ بہت اچھے منتظم صائب الرائے، جرأت مند اور معاملہ فہم بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں بلند درجات عطا فرمائے اور اپنے فضلوں سے آپ کی قربانیاں اور خدمت قبول فرمائے۔ آمین!

ہم ہیں

ممبران مجلس عاملہ مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ

اخبارِ مجالس

ماڈل ٹاؤن لاہور کا چھٹا سالانہ یک روزہ اجتماع:

مجلس خدام الاحمدیہ ماڈل ٹاؤن کے خدام و اطفال کا ایک روزہ سالانہ اجتماع مورخہ ۱۳ر فروری ۱۹۷۷ء بروز اتوار منعقد ہوا۔
پروگرام کے مطابق صبح ۸ بجے خدام مسجد احمدیہ ماڈل ٹاؤن میں جمع ہو گئے اور سب سے پہلے خدام کا سائیکل ریس ۲/۱ ۲ میل کا مقابلہ ہوا۔ ساڑھے نو بجے مکرم و محترم جناب ملک منور احمد صاحب جاوید سابق قائد مجلس خدام الاحمدیہ ضلع لاہور نے سرانجام دیا۔ تلاوت اور نظم کے بعد قائد مقامی جناب محمد مسعود صاحب اقبال نے خدام کے ساتھ عہد دوہرایا۔ افتتاحی خطاب میں مکرم ملک صاحب نے خدام و اطفال کو ہر کام میں خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی تلقین فرمائی۔ قائد صاحب مقامی محترم محمد مسعود اقبال صاحب نے خدام الاحمدیہ و اطفال کو اچھا نمونہ پیش کرنے اور تمام وقت دعاؤں میں گزارنے کی تلقین فرمائی۔ افتتاحی دعا مکرم و محترم جناب محمد بشیر صاحب شاد مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے کروائی اور اس طرح پروگرام کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اندازاً ۱۷۰ خدام اور ۸۰ اطفال کے علاوہ ۵۰ معزز مہمان بھی اجتماع میں شامل ہوئے۔ اس موقع پر شعبہ صنعت و تجارت کی طرف سے چائے کا سٹال لگایا گیا۔

مسجد سے ملحقہ گراؤنڈ میں دو بجے بعد دوپہر تک خدام کے مندرجہ ذیل مقابلے ہوئے۔ فٹ بال، والی بال، رسہ کشی، دوڑ سو گز، گولہ پھینکنا۔ تھالی پھینکنا۔ بیڈمنٹن، ٹیبل ٹینس، نشانہ غلیل، اونچی چھلانگ، لمبی چھلانگ۔ کلائی پکڑنا۔ اطفال علیحدہ گراؤنڈ میں جمع ہوئے اور ناظم صاحب شعبہ کی زیر نگرانی ان کے مندرجہ ذیل مقابلے ہوئے۔ دوڑ، فٹ بال، رسہ کشی۔ نشانہ غلیل، جھنڈا جنگ، تین ٹانگوں کی دوڑ، لمبی چھلانگ۔ متعدد خدام و اطفال بڑی دلچسپی سے تمام مقابلوں میں شریک ہوئے۔
معزز مہمانان کرام کا ایک دلچسپ کھیل میوزیکل چیئرز بھی کروایا گیا جس سے تمام حاضرین بہت محظوظ ہوئے تمام خدام و اطفال اور معزز مہمانوں کے لئے دوپہر کے کھانے کا انتظام مجلس کے ذمہ تھا۔ چنانچہ ۲/۱ ۲ بجے دوپہر تمام حاضرین کھانے سے فارغ ہوئے اور ظہر و عصر کی نمازیں جمع کر کے ادا کی گئیں۔

نمازوں کی ادائیگی کے بعد علمی پروگرام زیر صدارت مکرم و محترم محمد شفیق صاحب قیصر نائب صدر مجلس خدام الاحمدیہ شروع ہوا۔ پروگرام کے مطابق خدام کا تقریری مقابلہ ہوا۔ اس تقریری مقابلہ کا عنوان "یوم مصلح موعودؓ" کی مناسبت سے "پیشگوئی مصلح موعودؓ کا ایک پہلو۔ قومیں اس سے برکت پائیں گی" مقرر کیا گیا تھا۔ دس خدام نے مقابلہ میں حصہ لیا۔ ازاں بعد اطفال کا تقریری

مقابلہ مختلف موضوعات مثلاً سچائی ۔ دیانت ۔ حضرت مسیح موعود کا عشقِ رسول ؐ ، محسنِ انسانیت ؐ ۔ وقت کی پابندی وغیرہ پر ہوا ۔ مکرم محمد شفیق صاحب قیصر نے مختلف علمی و ورزشی مقابلوں میں نمایاں مقام حاصل کرنے والے خدام و اطفال میں انعامات تقسیم فرمائے ۔ اس کے بعد اختتامی خطاب میں معزز مہمان نے خدام و اطفال کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے مطالعہ کی طرف توجہ دلائی ۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے حضور علیہ السلام کی کتب سے متعدد اقتباسات پڑھ کر سنائے جس سے نہایت احسن رنگ میں خدام و اطفال کو اس اہم بات کی طرف توجہ پیدا ہوئی ۔ اس کے بعد مکرم شفیق قیصر صاحب نے اختتامی دعا کروائی جس کے فوراً بعد خدام و اطفال نے نماز مغرب و عشاء باجماعت ادا کیں اور اسی طرح یہ بابرکت پروگرام بخیر و خوبی انجام پذیر ہوا ۔

الحمد للہ علیٰ ذٰلک !

(عبد الرشید منگلا ۔ معتمد مجلس خدام الاحمدیہ ماڈل ٹاؤن لاہور)

فیکٹری ایریا شاہدرہ :

مؤرخہ ۹ ر فروری ۷۷ء کو حلقہ رچنا ٹاؤن میں صبح ۹ بجے سے ساڑھے دس بجے تک وقارِ عمل ہوا جس میں سیلاب اور بارشوں کی وجہ سے خراب ہونے والی ایک گلی میں ۳۰۰ مربع فٹ جگہ پر مٹی ڈالی گئی نیز ۲۰۰ مربع فٹ جگہ صاف کی گئی ۔

ضلع لاہور :

مورخہ ۶ ر فروری کو صبح دس بجے سے ایک بجے تک مسجد احمدیہ دار الذکر لاہور میں مجلس خدام الاحمدیہ ضلع لاہور کا سالانہ تربیتی اجلاس ہوا ۔ جس میں تلاوت و نظم کے علاوہ محترم چوہدری حمید نصر اللہ صاحب ، محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد ، محترم مولانا عبد المالک خانصاحب ، محترم مرزا طاہر احمد صاحب ، نے مختلف تربیتی موضوعات پر تقاریر کیں ۔ اس اجلاس میں دو ہزار احمدی احباب کے علاوہ غیر از جماعت احباب نے بھی کثیر تعداد میں شرکت کی ۔ حاضری میں اوّل مجلس مغلپورہ ، اور دوم مجلس دار الذکر رہی اور دیہاتی مجالس میں سے مجلس لکھاسن اور جاہمن بالترتیب اوّل و دوم قرار پائیں ۔ لاہور کے باہر سے آنے والے مہمانوں کو کھانا بھی پیش کیا گیا ۔

بہاولپور :

مؤرخہ ۱۲ ۔ ۱۳ ر فروری ۷۷ء کو مجلس خدام الاحمدیہ بہاولپور کے زیر اہتمام تربیتی کلاس ہوئی اس میں نماز تہجد ، درس القرآن والحدیث ۔ تربیتی تقاریر اور مجلس سوال و جواب پر مشتمل پروگرام ہوا ۔ اس کلاس میں مولانا غلام باری صاحب سیف نے خطاب فرمایا ۔ مستورات کے لئے پردہ کا انتظام تھا ۔ علاوہ ازیں غیر از جماعت احباب نے بھی شرکت کی ۔

○

شیزان
ایک بار نہیں سو بار نہیں
میں تو کہوں گی لاکھوں بار
شیزان کی ہر چیز ہے
سب سے مزے دار
Apple Jelly
Apricot Jam

Monthly **KHALID** *Rabwah*

APRIL 1977 **Regd. No. L 5830**

صرف ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا۔